

اقبال

روزِ بخودی

مترجم

کوکب شادانی

اقبال

روزِ بخودی

مترجم

کوکب شادانی

فہرست

صفحہ	عنوان	نمبر شمار	صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۳۶	وطن اسامی ملتے نہیں ہے	۱۵	۱	پیشہ لفظ	۱
۴۴	نظام ملتے ہو	۱۶	۲	پیشہ کش بہ ملت اسلامیہ	۲
۴۵	زمانہ انحطاط ہو	۱۷	۳	مفہوم ربط فرد و ملت	۳
۴۸	سیرت ملی ہو	۱۸	۴	ملت اجلاط افراد سے ہو	۴
۵۱	حسن سیرت ملی ہو	۱۹	۵	ملت اسلامیہ کے ارکان اساسی	۵
۵۵	بیانے حیات ملی ہو	۲۰	۶	یاس و حزن ہو	۶
۵۹	حقیقی جمعیت ملی ہو	۲۱	۷	تیر کے شمشیر سے گفتگو	۷
۶۴	توسیع حیات ملی ہو	۲۲	۸	حکایت شیر و شہنشاہ عالمگیر	۸
۶۸	حیات ملیہ کا کمال ہو	۲۳	۹	رسالت	۹
۷۲	نوع انسانی کے بقا ہو	۲۴	۱۰	بیانے مقصود رسالت	۱۰
۷۵	مسلمانوں کو توڑ کے لئے ہو	۲۵	۱۱	بوعبید اور جابانے	۱۱
۷۷	خطاب بہ محذرات اسلام	۲۶	۱۲	سلطان مراد اور معمار	۱۲
۷۸	مثنوی کے مطالب کا خلاصہ	۲۷	۱۳	بیانے حریت اسلامیہ ہو	۱۳
۸۹	عرضہ حال مجبور رحمتہ اللعالمین	۲۸	۱۴	ملت محمدیہ کے بنیاد	۱۴

پیشے لفظ

علامہ اقبالؒ کے فارسی کلام کے جو ترجمے اب تک شائع ہوئے ہیں ان کی تعداد غالباً علامہ موصوف کے مختلف فارسی مجموعہ ہائے کلام کی تعداد سے زیادہ ہی ہوگی لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان ترجموں کے فاضل مترجمین نے اپنی ان مساعی جمیلہ کے ذریعہ علامہ اقبالؒ کی صحیح ترجمانی کا حق کہاں تک ادا کیا ہے۔

جیسا کہ قارئین کرام کو علم ہے ترجمہ بجائے خود ایک فن ہے اور اس میں جو دشواریاں پیش آتی ہیں ان سے بھی قارئین کرام بخوبی واقف ہونگے ہر حال سب سے پہلے یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ کسی زبان کے کسی مصنف، مقالے، نظم و نثر کی کسی کتاب یا اس کے کسی جزو کو کسی دوسری زبان میں منتقل کرنے کے لئے دونوں زبانوں پر عبور حاصل ہونا ضروری ہے۔ دوسرے یہ دیکھنا ضروری ہوتا ہے کہ مترجم جن مضامین، مقالوں، کتابوں یا ان کے جن اجزاء کا ترجمہ پیش کر رہا ہے ان کے مطالب و مفہیم کا ادراک اسے کہاں تک حاصل ہے۔ مثلاً قرآن مجید کے ترجمے کے لئے کلام الہی کے مفہیم کا ادراک کسی تفسیر کے ترجمے کے لئے مختلف تفاسیر کا مطالعہ، منطقی موضوعات پر کسی کتاب کے ترجمے کے لئے منطق اور اصول منطق سے واقفیت، احادیث کے ترجمے کے لئے حدیث و اصول حدیث کا علم، سائنسی مضامین یا علم فلسفہ پر کسی کتاب کے ترجمے کے لئے ان مضامین کے حقائق و رموز کے استنباط کی صلاحیت اور فقہی کتابوں کے ترجمے کے لئے فقہ اور اصول فقہ پر گہری نظر ہونا ناگزیر ہے۔ علیٰ ہذا القیاس تصوف، طبیات، مابعد الطبیعات، ہیئت، نجوم، طب، نفسیات، علم الارض، علم الحیوانات، نباتات

کیمیا، ریاضی، علم الماء، جغریات، ہندسہ، علم کلام اور دیگر مذہبی علوم یا معارف علوم الہیہ وغیرہم پر کسی کتاب کے ترجمے کے لئے لازم ہے کہ مترجم نہ صرف اس مخصوص علم کے اصول و مبادیات سے واقف ہو بلکہ ان پر گہری نظر رکھتا ہو۔ نیز جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں مترجم کے لئے دونوں زبانوں پر یعنی اس زبان پر جس سے ترجمہ کیا جا رہا ہے اور جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے عبور حاصل ہونا ایک امر لا بدی ہے جس کے بغیر ترجمے کی کوشش سعی رائیگاں کے مترادف ہوگی۔

ادبیات خصوصاً منظوم ادبیات کے تراجم کے سلسلے میں ترجمہ کی دقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کیونکہ اصل مصنف یا شاعر اپنی زبان میں مہارت رکھنے کے علاوہ علم بیان و معانی پر بھی عبور رکھتا ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے شہ پاروں میں اِتِّ مِنْ اَبْیَانٍ لِّسِحْرَا کے مصداق جادو جگاتا ہے، اسی لئے مشاہیر ادب اس بات پر متفق ہیں کہ ادبی ترجموں میں اصل ادبی شہ پاروں کی روح شاذ و نادر ہی باقی رہتی ہے۔ اُردو میں علامہ علی حیدر نظم طباطبائی مرحوم کا ترجمہ جو انگریز زبان کے مشہور شاعر گرے (Gray) کی ایک تعزینہ نظم (elegy) کا منظوم ترجمہ ہے اور ”گورِ غریباں“ کے نام سے شائع ہو کر عالمی شہرت حاصل کر چکا ہے ترجمے کی ایک نادر مثال ہے۔

علامہ اقبالؒ کا تمام تر فارسی کلام فلسفہ کے مضامین سے پڑا ہے لیکن ان مضامین کو اشعار کا خوبصورت لباس پہنا کر موصوف لئے گویا بادۂ خودی کو دو آتشہ بنا دیا ہے۔ یہی وہ بے مثل آرٹ ہے جس کے ذریعہ اقبالؒ کے پیر معنوی مولانا جلال الدین رومیؒ نے شراب علم و معرفت کے دریا بہائے ہیں ورنہ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ

مثنوی مولوی معنوی

ہست قرآن در زبان پہلوی

یہی قول حق علامہ اقبالؒ کے کلام پر بھی حرف بحرف صادق آتا ہے جس میں موصوف نے
قرآن پاک سے ہٹ کر بقول خود ایک لفظ بھی نہیں کہا ہے اور جیسا کہ خود فرمایا ہے انھوں نے
شاعری کو صرف حدی خوانی کا ذریعہ بنایا ہے ۵

نغمہ کجا و من کجا ساز سخن بہارہ الست

سوئے قطار می کشم ناقہ بے مہار را

اسی بنا پر راقم الحروف نے ایک نظم میں اقبالؒ کو مخاطب کر کے عرض کیا تھا کہ ۵

ہے زمانے میں مسلم فلسفہ دانی تری

ہم کو پیاری ہے مگر رسم حدی خوانی تری

لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اقبالؒ کا مرتبہ دنیا کے کسی بڑے سے بڑے شاعر سے کم ہے۔ وہ اردو
کی طرح فارسی زبان پر بھی کلمی عبور رکھتے ہیں اور فارسی نظم میں علم فلسفہ کی موثکافیوں کے لئے
”شاعر مشرق“ نے جو پیرایہ بیان اختیار کیا ہے اس کی مثال فارسی کے کسی بڑے سے بڑے شاعر
کے ہاں بھی مشکل ہی سے ملے گی۔ فارسی اشعار میں فلسفے کے دقیق ترین نکات کے بیان میں ان
کے اسلوب اظہار اور اس پر ان کی مہارت نامہ کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ جیسا کہ ہم سب جانتے
ہیں فلسفے میں اقبالؒ کا موضوع خاص ”خودی“ (مہر) ہے۔ ”اسرارِ خودی“ کے علاوہ ”رموزِ بخودی“
میں بھی آپ کو ”خودی“ کے جلوے کا بجا بے نقاب نظر آئیں گے۔ ”جاوید نامہ“ اور ”زبورِ عجم“
میں ان جلووں کی تابانی بے پناہ ہو گئی ہے جن کی تاب لانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں چہ جائے کہ ان
تابانوں کا تجزیہ کر کے انھیں کسی دوسری زبان میں پیش کیا جائے۔

دور حاضر میں ہندوستان کو تو چھوڑیے خود اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مسلمانوں کو

قرآنی علوم اور عربی و فارسی سے جس قدر دلچسپی رہ گئی ہے اس کا علم کسے نہیں۔ اسی لئے رقم الحروف کی ناچیز رائے میں اردو میں کلام اقبال کے تراجم کا واحد مقصد یہی ہے کہ موصوف کے پیغام کو عام کیا جائے اور ”خودی“ کے سلسلے میں ان کی فلسفیانہ مونث گافیوں کو اس طرح پیش کیا جائے کہ عوام الناس بھی ان سے مستفید و مستفیض ہو سکیں۔ اس سلسلے میں منظوم تراجم کی افادیت سے کسے انکار ہو گا لیکن یہ خیال رہے کہ مترجمین کی مساعی پر خلوص ہونے کے باوجود کلام اقبال کو کہیں چیتاں نہ بنا دیں اور وہ قدیم ایرانی فلسفے کی مشہور کتاب ژند کی شرح پاژند کا مصداق نہ ہو جائے۔ اس اندیشے کی سرب سے بڑی وجہ اقبال کے فارسی کلام کے وہ منظوم اردو تراجم ہیں جو اب تک ہمارے سامنے آئے ہیں اور جن میں باستثنائے چند فاضل مترجمین ایک ایک شعر کا اکثر و بیشتر کئی کئی اشعار میں ترجمہ کرنے کی کوشش کے باوجود مفہام اقبال کو سمجھنے اور سمجھانے کی ذمہ داری سے ہمہ برآ نہیں ہو سکے۔

واضح رہے کہ علامہ اقبال نے خودی و بیخودی کے اسرار و رموز کو عام فہم بنانے کے لئے کہیں کہیں خود سوالات قائم کئے ہیں۔ اور پھر ان کے مفصل جوابات دیئے ہیں جیسے ”زبور عجم“ کے ایک جزو ”گلشن راز جدید“ میں لیکن کچھ دوسرے مقامات پر مزید وضاحت کی غرض سے علم ریاضی کی طرح کچھ مفروضات قائم کئے ہیں۔ مثلاً ”جاوید نامہ“ کے مختلف حصص میں علامہ موصوف نے یہی طریقہ برتا ہے۔ اور جن دقیق مسائل کو ملت اسلامیہ کے استفادے کے لئے حل فرمایا ہے انہیں ”حدیث دیگر اں“ کے طور پر مثلاً (ALLEGORICALLY) پیش کیا ہے۔

لہذا رقم الحروف کی طرف سے اس جزو کے منظوم اردو ترجمے کی حقیر کوشش ”اقبال ریلوے“ بابت ماہ جنوری ۱۹۸۰ء میں ملاحظہ فرمائیں۔

راقم الحروف نے زیر نظر منظوم اردو ترجمے میں محسن ملت اقبالؒ کی ان وجدانی کیفیات کو ظاہر کرنے کی حتی الامکان کوشش کی ہے۔ قارئین کرام سطور بالا کی روشنی میں راقم الحروف کی ان ذہنی کاوشوں اور دشواریوں کا اندازہ لگا سکتے ہیں جو اسے اس ترجمے میں پیش آئی ہوں گی۔ فن ترجمہ میں اپنی ہیچ میرزی کے اعتراف کے ساتھ زیر نظر ترجمے کی کامیابی و ناکامی کا فیصلہ میں قارئین کرام پر چھوڑتا ہوں۔

آخر میں میں برادر محترم رئیس اردو مہوی، محترم ڈاکٹر اللہ الیٹ صدیقی رئیس شعبہ اردو جامعہ کراچی، محترم بزرگ ڈاکٹر ریاض الحسن صاحب اور محذومی پروفیسر مسلم صاحب کا شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ انھوں نے راقم الحروف کو اپنی گراں قدر آراء اور مفید مشوروں سے نوازا۔ اس کے علاوہ اقبال اکادمی پاکستان نے زیر نظر ترجمے کی اشاعت کا بندوبست فرما کر میری اس حقیر خدمت کا جس انداز میں اعتراف فرمایا اس کا ذکر نہ کرنا بھی ناشکر گزاری ہوگی۔ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ۔

احقر العباد گوکبش دانی

۸۶۳/۱۵، دستگیر سوسائٹی، فیڈرل بی ایریا، کراچی ۳۸

اپریل ۱۹۷۵ء

روز بخودی

(ترجمہ منظوم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیش کش بہ ملتِ اسلامیہ

اے کہ تو خود خاتمِ اقوام ہے	تجھ پہ ہر آغاز کا انجام ہے
رتبہ نبیوں کا ترے پاؤں کا ہے	دل فقط تیرے جگر چاکوں کا ہے
تو شہیدِ حسن تر سازادہ ہے	تو رہ کعبے دور افتادہ ہے
تیرے کوچے کا فلک مشتبہ غبار	تیرے رخ پر ہے نگاہ روزگار

موج کی صورت ٹھہرنا شاق ہے
پیر و می سوزش پروا نہ کر
عشق سے کر جان کو اک جانِ نو
میں نے جب دیکھا رخِ زیبا ترا
ہم نو اخوشِ جلوۂ اغیار سے
پیشِ ساقی جب جبینِ فرسا ہوئے
میں ہوں تیری تیغِ ابرو کا شہید
مدح گوئی سے بہت بالا ہوں میں
جب سخن نے کر دیا آئینہ ساز
بارِ احساں میری گردن پر نہیں
مثلِ خنجرِ سخت کوشی میری جاں
میرے دریا میں نہیں لے تابیاں
کس کے نطائے کا تو مشتاق ہے؟
برق میں تعمیرِ نو کا شانہ کر
مصطفیٰ سے باندھ تو پیمانِ نو
صحبتِ ترسا سے دل گھبرا گیا
داستانِ گیسو و رخسار سے
قصۂ مغ - زادگان کہنے لگے
خاک کو میری ترا کو چہ ہے عید
غیے کئے آگے کہاں جھکتا ہوں میں
کیوں سکندر سے نہ ہوتا بے نیاز
کوئی دھبہ میرے دامن پر نہیں
آب دیتا ہے مجھے سنگِ گراں
کاسۂ گرداب ہے مجھ پر گراں

ہوں حجاب رنگ میں کب ہوں شمیم
اس شرر آباد میں اگلے ہوں میں
تیرے در پر ہوں مگر یکسر نیاز
آسماں سے بارشیں ہوتی ہیں جب
میں انھیں کرتا ہوں جوئے نرم رو
تو مرے محبوب کا محبوب ہے
جب سے ڈالی عشق نے طرح فغاں
نازش سینہ جو تھا میرے لئے
تاکہ اپنا چہرہ اس میں دیکھ لے
قصۂ پارینہ، بن جائے چراغ
میں نہیں پابند امواج نسیم
خود ہی خلعت یاب خاکستر ہوں میں
لے کے آیا ہوں فقط سوز و گداز
میرے دل پر ہی برس جاتی ہیں سب
پھیرتا ہوں تیری جانب جو بہ جو
میرے پہلو میں دلِ مطلوب ہے
دل کا آئینہ بنا اشکِ رواں
پیش کرتا ہوں وہ آئینہ تجھے
اور اپنی ذات کا قائل بنے
تازہ ہو جائیں ترے سینے کے داغ

قوم نامحرم تھی اپنی ذات سے زندگی میں نے طلب کی اس لئے

میں سکوتِ شب میں بھی نالاں رہا
دل سکون و صبر سے محروم تھا
آرزو تھی خون ہو جائے اگر
تا کجا جلتا ہی میں پیہم رہوں؟
اشک ریزی شمع ساں کرتا رہوں؟
جلوہ افزاں بن گئی میری کمی
سوز سے خالی مرا سینہ کہاں!
جسمِ فرسودہ میں رشتہ جان کا
جب مجھے صبحِ ازل پیدا کیا
نالہ جس نے راز کھولا عشق کا
آگ کی فطرت جو دے خاشاک کو
مثلِ لالہ عشق کو کافی ہے داغ
خواب میں دنیا تھی، میں گریباں رہا
ور و بس یا حی و یا قیوم تھا
اس کو آنکھوں سے بہا دوں بسبر
صبح سے میں طالبِ شبنم رہوں؟
ہر شب تاریک سے الجھا رہوں؟
بزم کی رونق ہے میری برہمی
اب مرے ہفتہ میں آدینہ کہاں!
آہ کا جلوہ ہے گرد آلود سا
نالہ حق نے عودِ جاں میں بھر دیا
حسرتِ گفتار کا ہے خون بہا!
شوخی پروا نہ بخشے خاک کو
ہے گلِ نالہ گریباں کا فراغ

میں یہ گل دیتا ہوں تیرے ساز کو اک محشر تیرے خواب ناز کو
خاک تیری اس سے ہوگی لالزار ہر نفس سے آئے گی بوئے بہار

تکمہ

مفہوم ربط فرد و ملت

فرد ہے ربط جماعت سے نہال ہے یہ رشتہ اس کے جوہر کا کمال
اپنی ملت کا دل غمخوار رہ رونق ہنگامہ احرار رہ
قول پیغمبر کو حرز جاں بنا ”بعد ملت سے ہے کام ابلیس کا“
فرد و قوم آئینہ ہیں باہمدگر جیسے نجم و کہکشاں، سلک و گہر
فرد کا ملت سے ہے سب احترام فرد سے قائم ہے ملت کا نظام
فرد خود کو قوم میں حب گم کرے قطرہ وسعت طلب قلم بنے

خود ہی شکل سیرت دیرینہ ہے ماضی و آئندہ کا آئینہ ہے
وصل ہے ماضی و استقبال کا وقت ہے مثل ابد لا انتہا
قلب میں ذوق نمودت سے ہے احتساب رنگ و بولت سے ہے
رابطہ جسم و جاں ہے اس کا قوم سے ظاہر و پنہاں ہے
گفتگو اس کی زبان قوم ہے تابع اسلاف، جان قوم ہے
گرمی صحبت سے ہو کر خپتہ تر فرد ہو جاتا ہے ملت سرسبز
پختگی وحدت کی گر کثرت میں ہے کثرت آئینہ صفت وحدت میں ہے
لفظ جو نہی بیت سے باہر ہوا گوہر مضمون شکستہ ہو گیا
برگ تازہ گر کے اپنی شاخ سے کیا امید دیدِ فصلِ گل کرے
زمزم ملت سے جو محروم ہے نغمہ اس کے ساز کا معدوم ہے
فرد تنہا رہ کے ہے مقصد سے دور اس کی قوت میں خلل ہو گا ضرور
قوم ہی ضبط آشنا اس کو بنائے نرم رو مثل صبا اس کو بنائے

پابہ گل کر دے تو وہ شمشاد ہے
وہ اگر پابندی آئیں کرے
بہ خودی کو تو خودی سمجھا کیا
جو ہر نوری ہے تیری خاک میں
اس کے عیش و غم سے تیرا عیش و غم
وہ ہے واحد ناگوار اس کو دوئی
خود ہے قائم، خود ہی بازی، خود ہی ساز
آگ کو کرتا ہے اس کا سوز تیز
اس کی فطرت قید و آزادی کی شان
رزم پیہم سے اسے رہتا ہے کام
گاہ پہناں پردہ خلوت میں ہے
اپنے دل میں نقش گیر "او" ہے وہ
لاکھ زنجیروں میں بھی آزاد ہے
آہوئے رم خونہ کیوں مشکیں بنے
آج تک وہم و گماں ہی میں رہا
ہے کرن اس کی ترے ادراک میں
زندگی تیری ہے اس کا ایک دم
اس کی ضو سے میری تیری زندگی
ناز پروردہ ہے اس کا ہر نیاز
ہے شر اس کا سراسر شعلہ خیز
جزو میں اس کے ہے کل گیری کی جان
ہے خودی بھی زندگی بھی اس کا نام
اور کبھی ہنگامہ جلوت میں ہے
یا کبھی "من" سے گزر کر "تو" ہے وہ

جبر حب لیتا ہے اس کا اختیار عشق سے کرتا ہے اس کو مایہ دار
ناز حب تک ناز ہے یکسر ہے ناز حد سے آگے ناز بنتا ہے نیاز
خود شکن ملت میں ہوتی ہے خودی برگ گل بنتا ہے جاں گلزار کی
ہیں یہی نکتے مثال تیغ تیز نا سمجھ کو ہسم سے لازم ہے گریز

ملت اختلاط افراد سے بنتی اور اس کی تکمیل تربیت نبوت سے ہوتی ہے

ربط مردم رشتہ باہم میں دیکھ داستانِ رشتہ کو سرگم میں دیکھ
قوم میں ہے فرد بینی اپنا کام کرتے ہیں گلشن سے گل چینی مدام
فطرۃ گم اپنی یکتائی میں ہے گو تحفظ محفل آرائی میں ہے
لوگ، فطرت کا تقاضا ہے، جلیں رزمگاہِ زندگی کی آگ میں

خوگرِ اطوارِ یحییٰ بنیں
ہوں نبردِ زندگی میں یارِ سب
جذبِ باہم ہے ستاروں کی حیات
کاروانی راہ ہیں دشت و حیل
سست و بیجاں تار و پود کا ہے
نغمہ سازِ برق سے نا آشنا
جستجو کی سختیوں سے بے خبر
خالی خالی محفلِ نوزادہ کیا!
سبزہ تازہ ہے افسردہ ابھی
قصۂ دیو و پری پر ہے مدار
ہستیِ ناپختہ ہے خلوت گزیں
وقفِ بیم جاں ہیں اس کے آب و گل

مثلِ گوہرِ سلکِ گوہر ہیں ملیں
مثلِ ہمکاراں رہیں ہمکارِ سب
ہے بہم کو کب سے کو کب کو ثبات
ہے یہی قانونِ فطرت کا اٹل
ناشگفتہ غنچۂ پندار ہے
تھا جو در پردہ تو در پردہ رہا
آرزو کی کاوشوں سے بے خبر
پہنہ جس کو چوس لے وہ بادہ کیا!
خوں ہے اس کے تاک کا مردہ ابھی
ڈھونڈتا ہے اپنی ہستی سے فرار
فکر میں اس کی ابھی وسعت نہیں
بادِ صرصر سے لرز جاتا ہے دل

سخت کوشی اس کی عادت میں نہیں
جوز میں اگلے غنیمت ہے اسے
تب کہیں آتا ہے صاحب دل کوئی
نغمہ گرا لیساکر اک آوازہ سے
ذرّہ ناچیز کو بخشنے ضیا
اک نفس سے زندہ سو پکیر کرے
چشم مارے، لب مسحائی کرے۔!
ہے زمیں سے تافلک اس کی کمند
تازہ اندازِ نظر پیدا کرے
قوم اس کے سوز سے مثلِ سپند
دل میں وہ جو نہی شرِ افکن بنے
گل کو اس کا نقشِ پابینا کرے
پنچہ زن دامنِ فطرت میں نہیں
یا وہی اوپر سے جو خود آگرے
ایک دفتر جس کا ہواک حرف بھی
خاکِ (مردہ) کو حیاتِ تازہ دے
اور ہر پونجی کو کر دے بے بہا
بزم کو سرخوش بیک ساغر کرے
یوں دوئی سامانِ یکجائی کرے
پارہ پارہ زندگی کی حُلّہ بند
گلستاں تا دشت و در پیدا کرے
جست اس کی شورزا، ہنگامہ بند
شعلہ درگیر مٹی کو کرے
ذرّے کو غیرتِ دہ سینا کرے

عقلِ عریاں کو نیا پیرایہ دے یعنی اس بے مایہ کو سہرا یہ دے
اس کے انگر پر ہو جب دامنِ فشاں دور ہو کھوٹ اور زرخا لیں عیاں
جب غلاموں کو یہ کرتی ہے رہا ان کو آقاؤں سے کرتی ہے جدا
اُن سے کہتی ہے کہ تم بیدم نہیں ان بتانِ بے زباں سے کم نہیں
رہنما ہوتی ہے سوئے مدعا کرتی ہے آئین کو زنجیرِ پیا
کرتی ہے پھروہ درِ توحید باز اس کو سکھلاتی ہے آئینِ نیاز

مذتِ اسلام کے ارکانِ اساسی

رکنِ اوّل

توحید

کچھ نہ پایا کیف و کم کی دید سے عقل کو منزلِ ملی توحید سے

ورنہ اس داماندہ کی منزل کہاں
راز توحید اہل حق پر ہے عیاں
جو ترے اسرار تجھ پر واکرے
دین و حکمت اور آئین اس سے ہے
عالموں کو جلوہ حیرت کا محل
اس کا سایہ لپٹت کو بالا کرے
اس کی قدرت بندے کو اجلال دے
تیز ہو جاتی ہے اس کی ڈوڑ دھوپ
مرگِ بیم و شک عمل کی ہے حیات
جب مقامِ عبدہ محکم ہوا
ملت بیضا ہے تن جاں لا الہ
کشتی ادراک کا ساحل کہاں
ہے آتی الرحمن عبدّ امیں نہاں
امتحان ان کا عمل سے چاہتے
زور و قوت اور تمکین اس سے ہے
عاشقوں کے حق میں پیغامِ عمل
خاک کو اکسیر کی تاثیر دے
اور اسے نوعِ دگر میں ڈھال دے
خوں رگوں میں برق کا لیتا ہے روپ
دیکھتی ہے آنکھ قلبِ کائنات
کاسۂ در یوزہ جامِ جسم ہوا
ہے ہمارا ساز و ساماں لا الہ

۱۱ آیہ شریفہ۔ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالدَّرَجٰتِ اِلَّا اَتٰی الرَّحْمٰنَ عَبْدًا اُک طرف اشارہ ہے۔ یعنی
زمین و آسمان میں جو راز ہائے سرستہ ہیں وہ خدا کے کریم نے اپنے بندے پر کھول دیے ہیں۔ (کوکب)

یہ ہمیں سرمایہ اسرار ہے
لب سے دل تک اس کا بیت ہوتا ہے دور
نقش اس کا سنگ کو کرتا ہے دل
ہم جو گزرے سوز غم کی راہ سے
آب دل ہے سینہ انساں کا ساز
ہے اسی شعلہ کی رگ رگ میں نمود
ہے فقط توحید ہی کا یہ کہاں
دل ہے وجہ خویشی و بیگانگی
ہے دلوں کی یکرخی ملت کا نور
قوم کی زد ایک ہونا چاہئے
جذبہ فطری ہو ایک، اظہار بھی
ہو نہ جب تک سوز حق و مساز فکر
اور یہی شیرازہ افکار ہے
زندگی کا زور بڑھ جاتا ہے اور
دل ہو غافل تو بن جاتا ہے گل
خرمن امکاں بلایا آہ سے
سوز اس آئینے کو کرتا ہے گداز
کچھ نہیں اس کے سوا اپنا وجود
خویش ہیں فاروق و بوذر کے بلال
شوق کی مستی ہے ہم پیمانی
ایک ہی جلوے سے روشن ہے بہ طو
مکر و مقصد ایک ہونا چاہئے
نیک و بد کا ایک ہو معیار بھی
کس طرح ممکن ہے یہ انداز فکر؟

ہم مسلمان سب ہیں اولادِ خلیل
ہے وطن سے ربطِ تقدیرِ امم؟
اصلِ ملت کی وطن میں جستجو
ہاں، نسب کی لن ترانی ہے فضول
اپنی ملت کی بنا ہے دوسری
ہم ہیں حاضرِ دل ہے غائب کا اسیر
اپنا رشتہ رشتہ مستور ہے
تیر خوش پیکانِ یک ملت ہیں ہم
مدعا اپنا مال اپنا ہے ایک
نعمتوں سے اس کی ہم احوال ہوئے
میرے دعوے کی اَبِیکُم ہے دلیل
ہے نسب بنیادِ تعمیرِ امم؟
باد و آب و گل کی پوجا کو بکوا
افتخارِ جسم فانی ہے فضول
اس بنا کی دل سے ہے وابستگی
صیدِ این و آن نہیں اپنا ضمیر
ہے نظر لیکن نظر سے دور ہے
یک نما، یک بین و یک یت ہیں ہم
طرز و اندازِ خیال اپنا ہے ایک
یک زبان و یک دل و یکجاں ہوئے

۱۵ آئین شریف۔ مِلَّةَ اَبِیکُم اَبْرَہِیْم کی طرف اشارہ ہے۔

۱۶ بھائی بھائی۔ مشہور حدیث مَلِكُ مُؤْمِنٍ اَخُوکَ کی طرف اشارہ ہے۔

(کوکب)

یاسِ حزن اور خوفِ امِ الجبائتِ اور قاطعِ حیات ہیں
ان امراضِ بخیشہ کا ازالہ (صرف) توحید سے ہو سکتا ہے

موت کا ساماں ہے قطعِ آرزو جاں کا استحکام ہے لَا تَقْنَطُوا^۱
آرزو ہی زندگی کی لہر ہے ناامیدی زندگی کو زہر ہے
یہ فشارِ قبر ہے تیرے لئے توحیل بھی ہو تو یہ ٹکڑے کرے
ناخوانوں سے ہے اس کا ربط و ضبط نامرادی کو ہے اس سے خاص ربط
زندگانی کے لئے ہے موتِ یاس زندگی آتی ہے کمزوروں کو راس؟
دیدۂ جاں کو بھی یہ اندھا کرے روزِ روشن کو شبِ یلدا کرے
یہ قوائے زندگی کی موت ہے چشمہ ہائے زندگی کی موت ہے
غم کے ماروں کا کفن ہوتی ہے یاس نشتر گہائے تن ہوتی ہے یاس
اے کہ تجھ پر کثرتِ غم کا ہے دور کرنبی کے درسِ لَا تَحْزَنُ^۲ پہ غور

۱۔ آیت شریفہ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ ؎ کی طرف اشارہ ہے۔
۲۔ آیت شریفہ لَا تَحْزَنَنَّ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا سِیِّح ہے۔ (حکوب)

بوبکر صدیق اس سے ہو گئے
 بندہ حق کو کب زربیز ہے
 بندہ حق ہے تو غم سے ہو رہا
 زورِ ایماں سے فزوں ہوگی حیات
 جانبِ فرعون اگر جائے کلیم
 خوفِ غیر اللہ عمل میں ٹوک ہے
 عزم اس سے ممکنات اندیش ہے
 تخم اگر یہ تیری مٹی میں پڑا
 اس کی فطرت ناتوانی کا شکار
 چور ہے یہ طاقتِ رفتار کا
 گر عدو ڈر پوک تجھ کو دیکھ لے
 خوف اپنے پاؤں کی زنجیر ہے
 سرخوش تحقیق اس سے ہو گئے
 راہِ ہستی میں تبسم ریز ہے
 تو خیالِ بیش و کم سے ہو رہا
 کر تو لَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ ہٰی کی بات
 دل ہے اس کا لَا تَخَفْ سے مستقیم
 کاروانِ زندگی کی روک ہے
 ہمتِ عالی تا مل کیش ہے
 زندگی کا روپ سے رشتہ گیا
 دست و دل لرزاں اُسے ہیں سازگار
 ذہن کی جولانی افکار کا
 شاخِ گل سے مثلِ گل توڑے تجھے
 اپنا دریا ورنہ عالم گیر ہے

باہمہ گوشش جو بے آہنگ ہے بیم ہی سے نرم تارِ چنگ ہے
گوشِ تابیٰ سے اسے کر نغمہ خیز نالے سے کر دے فلک پر رستخیز
خوف کیا ہے؟ موت کا جاسوس ہے تیرگی سے جس کا دل مانوس ہے
آنکھ اس کی برہمی کا رِ زلیست کان اس کے رہزنِ اخبارِ زلیست
تیرے دل میں جو بھی پوشیدہ ہے ثمر خوف سے ہے غور سے دیکھے اگر
چاپلوسی، مکر و کیں یا ہود و روغ خوف ہی سے ان کو ملتا ہے فروغ
پردہ دارِ مکر اس کا پیرہن اس کا دامنِ فتنہ پرورِ پُر فتن
پختگی ہے اس کی ہمت کا تضاد اس لئے ناسازگاری سے ہے شاد
جو رموزِ مصطفیٰ پہچان لے خوف میں ہے شرک مضمحلان لے

تیر کی شمشیر سے گفتگو

تیر نے جو کچھ کہا شمشیر سے اس کو سنئے خود زبانِ تیر سے

ہے صفتِ پریوں کی تیرے قاف میں تیغِ حیدر ہے ترے اسلاف میں
دستِ خالد کی حنا بندی ہے تو شامِ پرین کر شفق بکھری ہے تو
آتشِ قہر خدا! اے حفظِ دیں! زیرِ سایہ ہے ترے خلدِ بریں
میں ہوا میں ہوں کہ ترکشِ بینِ نہاں ہوں سرِ اُپا آتشِ شعلہ فشاں
سوئے سینہ جب میں جاتا ہوں مگر اندرونِ سینہ جاتی ہے نظر
ہو نہ سینے میں اگر قلبِ سلیم اور ہو بھی کچھ تو حزنِ ویاس و بیم
اس کو کر دیتا ہوں ٹکڑے بالیقین بخشتا ہوں خون کی نیمِ آستیں
ہاں اگر ہو قلبِ مومن جلوہ پاش نورِ باطن پر ہو ظاہر کی معاش
پھر میں ہوتا ہوں گلِ غم کی طرح نوک جھڑ جاتی ہے شبنم کی طرح

حکایتِ شیر و شہنشاہِ عالمگیر

شاہِ عالمگیر، وہ گردوں و قار خاندانِ گورگاں کا اعتبار

مومنوں کا رتبہ برتر اس سے ہے عزت دین پیسہ اس سے ہے
وہ میانِ کارزارِ کفر و دیں اپنے ترکش کا خدنگِ آخریں
تخیمِ مردہ اکبری الحاد کا از سرِ نو طبع دارا میں اُگا^{۱۶}
جاچکی تھی شمعِ دل کی روشنی قوم اپنی فتنوں سے خالی نہ تھی
حق نے چُن کر شاہِ عالمگیر کو اُس فقیر اور صاحبِ شمشیر کو
ہند میں اچھائے دیں کے واسطے کارِ تجدد یقیں سو نیا اُسے
توڑ دی اس نے کمرِ الحساد کی بزم میں پھر شمعِ دیں روشن ہوئی
کو رذوقوں نے فساد نے گھڑ لے وسعتِ ادراک سے واقف نہ تھے
شعلہٴ توحید کا پروانہ تھا وہ تھا ابراہیمؑ، یہ بتخانہ تھا
صفیں شاہوں کی ہے بمثلِ آج بھی قیصر تک شاہد ہے اس کے فقر کی
ایک دن وہ زینتِ تاج و سریر وہ سپہدار اور شہنشاہ و فقیر
سیر کرنے صبح جنگل میں گیا اک غلام با وفا بھی ساتھ تھا

تھا ہوا تے صبح گاہی میں سرور
تھا شہِ رمزِ آشنا محو نماز
ناگہاں جنگل سے نکلا شیر بھر
بوئے انساں سے ہوا جب باخبر
شہ نے بے دیکھے ہی خنجر کھینچ کر
خوف سے خالی رہا قلبِ دلیر
تھا یہ بندہ بندہ مقبولِ حق
ایسا قلبِ خود نما و خود شکن
بندہ حق پیش مولیٰ کچھ نہیں
تو بھی اے نادان ایسا دل بنا
خود کو کھو کر، کر خودی کی جستجو
عشق کو آتش زن اندیشہ کر

ہر شجر پر چہا تے تھے طیور
تھی حقیقت کی طرف چشمِ مجاز
اک قیامت تھی کہ آواز ہزبر
پنجر مارا اس نے شہ کی پشت پر
پارہ پارہ کر دیا اس کا جگر
شیرِ قالیں ہو گیا جنگل کا شیر
مثلِ سابق ہو گیا مشغولِ حق
سینہٴ مومن میں رکھتا ہے وطن
سامنے باطل کے ہے حصنِ حصین
اپنے شاہد کے لئے محمل بنا
بن نیاز آگیں و قلبِ ناز جو
رو بہ حق بن کے شیری پیشہ کر

خوفِ حق ایمان کا عنوان ہے خوفِ دیگر شرک کی پہچان ہے

رکن دوم

رسالت

ہے خلیلی لَا أُحِبُّ إِلَّا فِیْلَیْنِؑ انبیا کے واسطے حق الیقینؑ
وہ خدائے لم یزل کی روشنی اس کے دل میں آرزو ملت کی تھیؑ
دیدہ بیدار، وہ قلبِ ملول وہ پیامِ طہرابتی نہ بھولؑ
دشتِ ویراں میں وہی ساکن ہا اس نے بیت اللہ کی ڈالی بنا
تُبَّ عَلَیْنَاؑ نے کھلایا گلستاں اس سے اپنا لہلایا گلستاں
پہلے حق نے صرف تن پیدا کیا پھر رسالت سے اسے جاں کی عطا

۱؎ قرآنی الفاظ میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے قول کی تلمیح - ۱۲۰ (مکتب)

۲؎ آیہ شریفہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ الْحَمْدُ کی طرف اشارہ ہے - ۱۲۰ (مکتب)

۳؎ آیہ شریفہ وَعَهْدُنَا إِلَىٰ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَؑ (الحج کی تلمیح ہے - ۱۱۲) (مکتب)

ہم کہ پہلے حرفِ بے آواز تھے اس طرح سے مصرعِ موزوں بنے
ہے رسالت اپنی تکوین کی بنا ہے رسالت دین و آئین کی بنا
بس رسالت ہی سے ہم واحد بنے جزو لاینفک ہیں سب ایک ایک کے
کہہ کے حق نے ہم سے یٰہْدِیْ مَن یُّرِیدِ حلقہ بندی کی رسالت سے مزید
حلقہٴ ملت محیطِ افسز اہوا اس کا مرکز وادیٰ بطحا ہوا
ہم اسی نسبت سے ملت بن گئے دہر کو پیغامِ رحمت بن گئے
بحر سے ہوتے ہیں جب مائل بہ اوج رہتے ہیں مربوط ہم سب مثلِ موج
زیرِ دیوارِ حرم ہو کر دلیر گونجتے ہیں جس طرح جنگل میں شیر
بات یہ دل میں ترے اترے اگر ہو رسا صدیق اکبر تک نظر
قوتِ قلب و جگر ہو گا رسولؐ حق سے بھی محبوب تر ہو گا رسولؐ
اس کا قرآن زور و قوت کی نوید اس کی حکمت ہے ہمیں خُبْلُ الْوَرِیدِ
اس کا دامن چھوڑنا ہی موت ہے بادِ صرصر جیسے گل کی موت ہے

قوم اس کے دم سے صوریاب ہے
فرد حق سے ملت اس زندہ ہے
بس اسی سے ہم نوا ہم ہو گئے
باہمی کثرت میں ہے وحدت کی شکل
زندہ وحدت سے ہے کثرت قوم کی
دین فطرت کو نبی سے سیکھ کر
اس گھر کا ہے وہی مواجیم
جبتک اس وحدت کی ملت ہے
حق نے جب ہم پر شریعت ختم کی
ہم ہیں رونق محفل ایام کی
ہم کو جب ساقی گری کا حق ملا
لَا نَبِيَّ بَعْدِي حق کا ہے کرم
یہ سحر، وہ مہر عالم تاب ہے
اس کے مہر فیض سے تابندہ ہے
ہم نفس، ہم مدعا ہم ہو گئے
پختگی وحدت کی ہے ملت کی شکل
دین فطرت سے ہے وحدت قوم کی
ہم چراغِ راہ حق ہیں سرسبز
ہم جو یکجاں ہیں اسی کا ہے کرم
اپنی ہستی بھی ابد کے ہے قرین
شان وحدت پر رسالت ختم کی
حد رسالت کی وہ، ہم اقوام کی
جام میں جو کچھ تھا وہ بھی مل گیا
اس کرم کے مستحق ٹھہرے ہیں ہم

قوم کا سرمایہ قوت ہے یہ حفظِ راز و وحدتِ ملت ہے یہ
حق نے ہر دعوے کو باطل کر دیا تا ابد اسلام کو دل کر دیا
رو غیر اللہ عملِ مسلم کا ہے نعرہ لا قوم بعدی اپنا ہے

بیان مقصود رسالتِ محمدیہ جو تشکیل و تاسیس حریت اور مساوات و اخوتِ نبی آدم کی بنیاد ہے

تھا جہاں میں آدمی انساں پرست ناکس و نابود تھا اور زیر دست
سطوت کسریٰ و قیصر کا غلام راہ میں اس کی بجھائے جس نے دام
کاہن و رہبان و سلطان و امیر ایک تھا پنجیسر لاکھوں صید گیر
پیرِ مذہب، اور اہلِ تخت و تاج لیتے اس کی کشتِ ویراں سے خراج
ہر طرف اسقفِ کلیسا کے تمام حرصِ جنت کے لئے پھرتے تھے دام

برہمن گل چیں تھا اس کے باغ کا
اک امیں نے بن کے تب حق آشنا
سرفرازی اس نے مزدوروں کو دی
کہنہ پیکر کھا گئے اس سے شکست
جسم انساں میں نئی جان آگئی
اس کی پیدائش قدامت کی تھی موت
اس کے دل سے حریت پیدا ہوئی
عصرِ نوح جس سے جہاں آباد ہے
زندگی کو اس نے نقش نو دیا
جو خیالِ ماسوا سے دور ہے
گرمی حق سے ہے امتِ سینہ تاب
شش جہات اس کیف سے رنگیں بنے
پھونک ڈالا مرغِ بچوں نے جو بچا
رتبہ خاقانِ غلاموں کو دیا
اور ان امیروں سے امارت چھین لی
نوعِ انساں کا ہوا پھر بندوبست
زندگی ابھری خداوندی گئی
ہو گئے دیر و کلیسا سارے فوت
یہ مئے نوشیں ہے اس کے تاک کی
یہ اسی انساں کا خانہ زاد ہے
پیش کر دی امتِ گیتی کشا
اور حُجُوتِ مصطفیٰ میں چور ہے
ذرہ ہے شمعِ حریمِ آفتاب
چین کے بتخانے کعبے بن گئے

اس کے آبلہ ہیں کتنے انبیا پیش حق اکرم ہیں اس کے اتقیا
کُلُّ مَوْمِنٍ اِخْوَةٌ اس کے دلیں ہے حریت ہی اس کے آبلے گل میں ہے
تھی خلاف امتیازات اس کی ذات طرح انداز مساوات اس کی ذات
سرو کی صورت تھی آزاد اس کی آل پنختہ تھی قَالُوْا بَلٰی سے خود مقتال
حق کے سجدے گل بسما ہو گئے مہرومہ نے پاؤں پر بو سے دیتے

بو عبید اور جابان کی حکایت اخوت اسلامیہ کی روشنی میں

ہو گیا افواجِ ایراں کا امیر جنگ میں اک مردِ مسلم کا اسیر
گرگِ باراں دیدہ تھا، عیار تھا حیلہ جو تھا، پرفن و مرکار تھا
کیا بتاتا مرتبہ اپنا بھلا نام بھی جب اس نے پوشیدہ رکھا

مردِ مسلم سے مگر چاہی اماں
سن کے یہ بولا وہ مردِ نیک نام
جب درفشِ کاویانی گر چکا
تب ہوا معلوم وہ جاہان ہے
دی خیر اس کی سپہ سالار کو
بو عبیدہ سیدِ فوج حجاز
”ہم مسلمان ہیں“ کہا ”اے دوستو
صوتِ جید رہے نوائے بودری
ہم میں جو بھی ہے امینِ قوم ہے
قوم ہوتی ہے اساسِ جان فرد
گرچہ جاہاں ہے ہمارا نیش جاں
یا درگھ اے امتِ خیر الانام!

اس کے ایماں کو بھی لایا دریاں
”خوں بہانا تیرا مجھ پر ہے حرام“
کو کپِ اولاد سا ساں پھر چکا
خود امیر لشکر ایران ہے
قتل کرنے پر تیلے مکار کو
جنگ میں بھی فوج سے تھے بے نیاز
تم بھی سب اک ساز ہی کے تار ہو
ایکے ہیں حلقِ بلال و قنبری
صلح و کیں بھی صلح و کینِ قوم ہے
قوم کا پیمان ہے پیمانِ فرد
ایک مسلم نے اسے دی ہے اماں
ہے مسلمانوں پہ خوں اس کا حرام

سلطان مراد اور معمار کی حکایت مساوات اسلامیہ کی روشنی میں

ایک معمار خجندی تھا کبھی دور تک شہرت تھی اس کے نام کی
جب ملا فرمان سلطان مراد مسجد اک تعمیر کی عالی نہاد
وہ مگر آئی نہ سلطان کو پسند ناسزا ٹھہرا وہ معمار خجند
ہو گیا سلطان اتنا خشمگین کاٹ ڈالا ہاتھ خنجر سے وہیں
پیش و قاضی مرد بیچارہ گیا راہ میں پہنچے سے خوں بہتا رہا
جا کے قاضی سے ہی سب استاں اور دکھایا اپنا دستِ خونچکاں
”ہے پیام حق“ کہا ”تیرا کلام حفظِ آئینِ محمد تیرا کام
سطوتِ سلطان سمجھ کو مت ڈرا کر مرا از روئے قرآن فیصلہ“
پہلے قاضی نے چبائے اپنے لب پھر کیا سلطان کو اس نے طلب

ہیبتِ قرآن سے سلطان کانپتا
شرم کے مارے نگاہیں تھیں جھکی
تھا ادھر فریادی دعویٰ گزار
عرض کی سلطان نے اے عالی وقار!
بولے قاضی "ہے قصاص اصلِ حیات
عبدِ مسلم کم ہے کیا احرار سے؛
شاہ نے سنتے ہی ان کلمات کو
مدعی یہ دیکھ کر آگے بڑھا
پھر کہا "بہرِ خدا بخشا اسے
اس مقامِ شاہ و صنعت گر کو دیکھ
پیشِ قرآن بندہ مولیٰ ہیں ایک
مثلاً مجرم سامنے حاضر ہوا
سرخ تھے سلطان کے رخسار بھی
اس طرف شاہنشاہ گروں وقار
ہوں خطا پر اپنی بے حد شرمسار
زندگی کو ہے اس آئیں سے ثبات
شہ کا خوں بہتر ہے کیا معمار سے؟
آستیں الٹی بڑھایا ہات کو
آیہ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ پڑھا
میں نے بہرِ مصطفیٰ بخشا اسے
سطوتِ آتین پیغمبر کو دیکھ
بوریا اور مسندِ دیبا ہیں ایک

۱۔ آیہ شریفہ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حِكْمٌ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ کی طرف اشارہ ہے۔ ۲۔ آیہ شریفہ
إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ کی تلمیح ہے۔ (کوکب)

بیان حریتِ اسلامیہ و سرِ حادثہ کربلا

جو ہے وابستہ ہو المَوْجُود سے ہے وہی آزاد ہر معبود سے
عشق ہے مومن سے، مومن عشق سے امرِ ناممکن ہے ممکن عشق سے
عقل ہے سفاک، وہ سفاک تر پاک تر، چالاک تر، بیباک تر
عقل ہے پابندِ اسباب و علل عشق ہے جانبِ امیدانِ عمل
عشق کرتا ہے بزورِ دستِ رام عقل مکاری کا پھیلاتی ہے دام
بیم و شک ہیں عقل و دانش کا مزاج عشق ہے عزم و یقیں کا امتزاج
اس کی تعمیروں میں ویرانی نہاں اس کے ویرانے سے آبادی عیاں
عقل ارزاں مثل باد و آب ہے بے بہا ہے عشق اور کیا ب ہے
عقل کا مرکزِ اساس چون و چند عشق عریاں بے لباس چون و چند
عقل کہتی ہے کہ آگے آئے عشق کا قولِ امتحاں فرمائیے

عشق فضلِ رب ہے اپنا حساب	عقل کا علمی ذریعہ اکتساب
عشق کا آئین ہے آزادگی	عقل کا فرماں ہے آبادی، خوشی
اس کے ناقے کی یہی ہے سارباں	حریت ہے عشق کا آرام جاں
کر دیا عقل ہو س پیشہ کو خوار	عشق نے اک روز وقتِ کارزار
سروِ آزاد گلستانِ رسولؐ	وہ امام عاشقان، ابنِ بتولؑ
معنی ذریعہ عظیمؑ اس کا پسر	بائے بسم اللہ شہادت کی پدر
دوشِ ختمِ المرسلین نعم الجملؑ	تھاپے شہزادہ خیر الملل
زندہ ہے یہ قول اسی مضمون سے	سرخ رو ہے عشق اسکے خون سے
قُلْ هُوَ اللَّهُ جیسے ہے قرآن میں	امتِ مسلم کی ہے وہ جان میں
قوتیں یہ کب رہی ہیں ناپدیدؑ	موسیٰ و فرعون، شبیر و یزید
قسمتِ باطل ہے محرومی کا داغ	قوتِ شبیر ہے حق کا چراغ

۱۱۱ شریفہ و قدیناۃ بینہم عظیمہ کی طرف اشارہ ہے لکھ حدیث قدسی ذِئْمَ الْجَمَلِ
 ۱۱۲ لکھما و ذِئْمَ الْعَدُوِّ لَانِ اَنْتُمَا کی طرف اشارہ ہے ۱۱۳ سنیو کار رہا ہے ازل سے تا امروز
 ۱۱۴ چرائے مصطفوی سے شرابو لہبی (اقبال)

جب خلافت ہو گئی قرآن سے دور
تب اٹھا وہ سرورِ خیر الامم
کربلا پر جہا کے برسا، کھل گیا
فکر ہائے جو مستقبل گئے
خاک و خوں میں لوٹ کر وہ حق پہا
سلطنت ہوتی اگر پیش نظر
اُس طرف اعدائے دیں تھے پیشمار
سرِ ابراہیم و اسمعیل تھا
اس کا عزم پختہ مثل کوہِ سار
تینغ ہے بس عزتِ دیں کے لئے
کوئی مسلم غیر کا بندہ نہیں
اس کے خوں نے رازیہ افشا کیا

حریت میں ہو گیا پیدافتور
لے کے مثلِ ابرہہ باراں در قدم
کتنے ویرانوں کو دے کر گل گیا
خون سے اس کے گلستاں کھل گئے
بن گیا آخر بنا سے لا الہ
بے سرو ساماں نہ کرتا یوں سفر
اس طرف خالی بہتر و ستدار
یعنی اُس اجمال کی تفصیل تھا
تھا نہایت پائدار اور کامگار
گراٹھے تو حفظِ آئیں کے لئے
ماسوا کے سامنے جھکتا نہیں
مدتِ مردہ کو زندہ کر دیا

یہ تیغِ لا کو اس نے جب عریاں کیا
نقشِ اِلَّا اللہ صحرِ اُپر لکھا
خونِ رگِ اربابِ باطل سے بہا
رمزِ قرآنی ہمیں سمجھا گیا
بخششِ امت کا ساماں کر دیا
وہ فروغِ شام و بغداد اب کہاں
رازِ ایمانی ہمیں سمجھا گیا
ہم ہیں زندہ قوتِ شبیر سے
مٹ گیا غرناطہ کے فرکانشاں
تازہ ہے ایماں اسی تکبیر سے
آنکھ سے نکلے تو اشکِ چشم تر
کاش پہنچے اس کی خاکِ پاک پر

چونکہ ملتِ محمدیہ کی بنیاد توحید و رسالت پر ہے

اس لئے حد و مکانی سے بے نیاز ہے

اپنا جو ہر کیوں ہو پابندِ مقام
ہندی و چینی سفالِ جام ہے
اس کی صہبا کا نہیں جب کوئی جام
رومی و شامی گلِ اندام ہے
اپنے دل کو ہند روم و شام کیا
مرز و بوم اپنی بجز اسلام کیا

پیش پیغمبر جو کعبہ خوش نہاد
وصف پیغمبر میں جب کھولی زبان
آسماں سے جن کا تہہ تھا بلند
ٹوک کر بولے نہ یہ فقرہ کہو
تھے پیغمبر راز دان جزو کل
چھوڑ کر امت کی دنیا میں جو تھا
ڈالنے امت کی دنیا پر نظر
رہ کے دنیا میں سراپا تھا الگ
حضرت آدم جب آب و گل میں تھے
مرز و بوم اس کی مجھے معلوم کیا
یہ عناصر کب بنے اس کا جہاں؟
ہم عناصر کے جہاں میں گم ہوئے
لے کے آئے ہدیہ بآنت سعادۃ
سیف ہند میں بھی بتائی انکی شان
ان کو یہ نسبت کہاں آتی پسند
مجھ کو سیف من سیوف اللہ کہو
خاک پا تھی سرمہ چشم رسل
طاعت و طیب و نسا کو لے لیا
منکشف ہو گا یہ رمز مستر
آپ کا مقصود دنیا تھا الگ
آپ تب بھی نور کی محفل میں تھے
یہ خبر ہے، تھا ہمارا آشنا
وہ جہاں میں تھا ہمارا میہاں
سب کے سب اس خاکداں میں گم ہوئے

لے مدح رسول میں حضرت کعبہ کے قصیدہ کا عنوان ۱۲۷۱ھ حدیث قدسی کُنْتُ نَبِيًّا وَآلِوْمُ بَيْنَ السَّمَاءِ
وَاطْنِیْنِ کی طرف اشارہ ہے۔ (نور کتب)

تو مسلمان ہے تو بن عالم پسند
مقصدِ مسلم نہیں ہے مرزو بوم
ہے اگر دنیا تو ہے دینائے دل
قومیت مسلم کی ہوتی ہی نہیں
اس کی حکمت کو کوئی دیکھے ذرا
ہے یہی تو بخشش سلطان دیں
جس کا قرآن میں خدا ہے مدح خواں
اس کی ہیبت سے عدو محبوب تھے
پھر وطن سے کس لئے باہر گیا؟
دشمنوں نے قصے پر قصہ گھڑا
ہے یہی مسلم کا آئین حیات
اس کا مطلب ہے تنکابی سے رم

چھوڑ دے راہِ جہانِ چون و چند
ہے فضول اس کو خیالِ شام و روم
اس میں گم ہے یہ سرائے آب و گل
ہے یہ رمزِ ہجرت آقائے دیں
ایک کلمے پر ہے ملت کی بنا
اپنی مسجد ہے یہ سب روئے زمیں
کر لیا تھا جس سے عہدِ حفظِ جاں
لرزہ بر اندام تھے معذور تھے
بھاگ نکلا؛ دشمنوں سے ڈر گیا؟
معنیِ ہجرت کوئی سمجھا نہ تھا
ہیں نہاں ہجرت میں اسبابِ ثبات
ترکِ شبنم ہے رہِ تسخیرِ یم

ترک گل سے گستاں مقصود ہے وہ زیاں پیرایہ بندِ سود ہے
ہے جہاں گردی میں سوچ کا بھرم عرصہ آفاق ہے زیرِ قدم
ہے ندی کی طرح کیوں باراں طلب بے کراں بن جا، نہ بن پایاں طلب
یہ سمندر ایک دشتِ سادہ تھا لے کے ساحل پانی پانی بن گیا
دل میں رکھ تو قصدِ تسخیر تمام تاکہ ہو جائے فراگیر تمام
مثلِ ماہی بحر میں آباد ہو ساحلوں کی قید سے آزاد ہو
ترک گل سے بوئے گل آزاد ہے یہ حدودِ باغ میں ناشاد ہے
تو چمن میں پرٹ گیا ہے ایک جا مثلِ بیل ایک گل کا ہو رہا
پھینک دے مثلِ صبا بارِ قبول گرم سیری کو بنا اپنا اصول
عصرِ نو کی چال سے ہشیار رہ اس رہ بد فال سے ہشیار رہ

وطنِ اساسِ ملت نہیں ہے

اس طرح قطعِ اخوت؟ مرحبا! ملک پر بنیادِ ملت؟ مرحبا!

خلد سمجھے جس کو تھابش القدر
لو وطن کو شمع محفل کر دیا
اس نے دنیا کو جہنم کر دیا!
مردمی دنیا میں افسانہ ہوئی
نوع انسانی کی یوں جڑک گئی
مسندِ مذہب سیاست کو ملی
قصہ دینِ سیح اب کہاں
اب کہاں باقی وہ زور اُسُفّی
قوم نے اوجِ کلیسا کھو دیا
دہریت مذہب کو سمجھی جب فضول
اللہ اللہ! جرأتِ میکا ولی
پڑھو اخلو قومہم دارالبوارہ
نوع انساں کو قبائل کر دیا!
جذبہ پیکار بار آور ہوا
آدمی ہے آدمی سے اجنبی
آدمیت قومیت میں بٹ گئی
یہ کلیستان مغرب میں کھلی
شعلہ شمعِ کلیسا اب کہاں
استخوان ہے روحِ مذہب اڑ گئی
نقد آئین چلیسا کھو دیا
حضرتِ شیطان سے آیا اک رسول
چشم انساں سے بصیرت چھین لی

۱۷ آیہ شریفہ التّٰوَالِیْنَ بَدَّ لُوْ دَعَا اللّٰهَ کُفْرًا وَّ اَحْلُوْ قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمِ یَصْلُوْ نَهَا وَّ یُسْکِنُ الْفَرَادِیْ طَرَفِ الشَّامِ ۱۲ لکھ کتاب الملوک کا مصنف میکا ولی۔ فلارنس میں پیدا ہونے کی بنا پر اقبال نے اسے فلارنسادی کہا ہے۔ (مکتب)

بادشاہوں کے لئے لکھ کر کتاب
اس نے تاریکی سے رشتہ جوڑ کر
بت تراشے اس نے آذر کی طرح
کس قدر بے دین تھا باطل نگار
تھا اسے تکیہ اسی معبود پر
نقشِ باطل رنگِ روغن بن گیا
اس نے تدبیرِ زبوں فرجام سے
کہہ کے فن بگڑی ہوئی تصویر کو
اس نے کھولا باہمی جنگوں کا باب
رکھ دیا پیمانِ حق کو توڑ کر
نقشِ باندھے قلبِ بتگر کی طرح
مملکت کو کہہ گیا پروردگار
نقدِ حق پر کھا عیارِ سود پر
مکر اس تعلیم سے فن بن گیا
جادۂ ہستی میں کانٹے بھر دیئے
مصالحات بتلا گیا نزویر کو

ملت محمدیہ بر بنائے وعدہ و وام حدودِ زمانی سے
بھی آزاد ہے

فصلِ گل میں جوشِ بلبیل دیکھئے رستخیزِ غنچہ و گل دیکھئے

ہیں یہ کلیاں یا عروسانِ حسیں
آپ جُوئے دیں جو اس کو لوریاں
شاخ پر جو غنچہ تازہ کھلا
دست گالچیں سے جو غنچہ خوں ہوا
آئی قسمی اور بیل اُر گئی
لاکھ جائیں لالہ ناپا مدار
ہو زیاں، گنجِ فراواں ہے وہی
فصل گل ہے سترن سے پختہ تر
کوئی گو ہر ٹوٹ بھی جائے اگر
مشرق و مغرب کی لاکھوں صبح و شام
ہم گئے تو میکدے کا کیا گیا
جبکہ ہے پائندہ تقویمِ امم

بن گیا گلشن ستاروں کی زین
اوس کھا کر ہو گیا سبزہ جواں
گو دیں بادِ سحر نے لے لیا
مثل بوگلشن سے باہر چل دیا
آمدِ شبنم سے خوشبو چل بسی
کم نہ ہوگی رونقِ فصلِ بہار
محفل میں گلہا خنداں ہے وہی
غنچہ و سر و سخن سے پختہ تر
کانِ گوہر پر نہیں پڑتا اثر
ہو گئیں غائب دکھا کر اپنا کام
دورِ ماضی جا کے بھی فردا رہا
کیا ہوا جو ہو گئے افرادِ کم

۱۷ آیه شریفہ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ کی طرف اشارہ ہے ۱۲ ۱۳ آیه شریفہ إِنَّا كُنَّا نُورِثُكَ
وَأَنَّا لَمَّا لِحَفِظُونَ کی طرف اشارہ ہے ۱۴ ۱۵ آیه شریفہ يُسْرِيذُونَ أَن تَطْفُوهُ نُورَ اللَّهِ
بِأَنوَاهِهِمُ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَتُوكِّرُهُ الْكَفِرَةُ کی طرف اشارہ ہے۔ (کو کتب)

کیوں نہ پھر محبوب صاحب دل ہو قوم
تھی جو در پردہ تمناے خلیل
غیر حق جل جائے گاتا شیر سے
فہم رمزدیں میں بھی ہیں بے عدیل
ساتھ اس کے فتنہ تاتا رہا
آزمایا ہم پہ دور فتنہ کو
یہ کہو محشر بھی تھا پامالِ راہ
آج تک ایسا نہ پھر برپا ہوا
یہ قیامت روم پر ٹوٹی نہ تھی
اس نو آئین کہن پندار سے
اس کے شعلے سے ہوئی کس کی سہن؟
حق سے نسبت بھی برا ہی ملی

حق پرستی میں اگر کامل ہو قوم
حق نے عریاں کی وہی تیغ اہیل
صدق ہو زندہ اگر شمشیر سے
ہم اگر توحید حق کی ہیں دلیل
چرخ ہم سے برسرِ پیکار تھا
اس نے شہ دی اور جو رفتہ کو
اُف! وہ فتنہ، فتنہ محشرِ پناہ
فتنہ کیا، آشوب ہی آشوب تھا
خاک میں توقیرِ مسلم مل گئی
پوچھ لیکن چرخ کج رفتار سے
آتش تاتا رہا تھی کس کا چمن؟
ہم کو طرست ہی برا ہی ملی

ہاتھ سے ملّت کے جب آتیں گیا منتشر، سمجھو کہ شیرازہ ہوا

ہر سدا کی یہی ہے زندگی باطن دینِ نبی ہے بس یہی
نسبت آئیں سے پتہ گلِ بنا گل اسی نسبت سے گلدرستہ ہوا
نغمہ اک ضبط صدا کا نام ہے تار بے ضبط صدا کا کام ہے
ہے گلے میں سانس اک موج ہوا بنتی ہے پابند نے ہو کر نوا
کچھ خبر سے ہے ترا آئین کیا؟ جو زمیں پر رازِ تمکس ہے ترا
وہ کتابِ زندہ قرآنِ حکیم حکمت اس کی لائزل ہے اور قدیم
وہ کتابِ زندہ، تکوینِ حیات جس کے دم سے بے ثباتی ہے ثبات
شک نہیں ہے اس میں تبدیلی نہیں کوئی آیت اس کی تاویلی نہیں
پختہ ہوتا ہے اسی سے عزمِ خام اس کے بل پر سنگ سے بھڑتا ہے جام
دل یہ دے پابند کو آزاد کا قیدیوں کو حوصلہ فریاد کا
نوعِ انساں کو پیامِ آخریں حامل کا اس کا رَحْمَتُ الْعَالَمِیْنَ
خاکساروں کو کرے یہ ارجمند بندے کو سجدے سے کرے سر بلند

رہزن اس کے حفظ سے رہبر بنے
دشت پیماس دیتے کے نور سے
کوہ کو جس کا شتمل تھا محال
وہ ہمارے دل کے گنجینوں میں ہے!
اُف! وہ بدوی، ریگ صحرا کا جلال
نخل کے نیچے ابھی سویا ہوا
دشت پیماس، بام و در سے بے خبر
اک تڑپ قرآن سے دل میں اٹھی
درس آیات میں سے جب لیا
پھر جہان بینی نوائے ساز تھی
شہر اس کی گرد پا سے بس گتے
تیرا ایمان رسم بن کر رہ گیا
حرف لے کر صاحب دفتر بنے
صاحب علم لدنی بن گئے
آسماں کو بھی نہ تھی جس کی مجال
قوم کے اطفال کے سینوں میں ہے!!
دہو پکی تابش سے آنکھیں لال لال
اٹھ گیا سن کر ابھی بانگ درا
ہرزہ رو کیفِ حضر سے بے خبر
موج بے تاب اس کی آسودہ ہوتی
آ کے بندہ پیش حق آفتابنا!
مسندِ جم فرش پا انداز تھی
ایک گل سے سیکڑوں گلشن بنے
شیوہ ہاتے کا فری میں بہ گیا

کر دیا تو نے حکومت کو زبرِ
 چاہے گر مثلِ مسلمانِ زندگی
 رہ گئی منزلِ تری ہو کر نُکُرُہ
 کچھ نہیں ہے جز بہ قرآنِ زندگی
 شاد ہے صوفی فضائے حال پر
 جھومتا ہے نغمۂ قوال پر
 مُرتکزِ شعرِ عراقی پر ہے فکر
 بزم میں اس کی نہیں قرآن کا ذکر
 اب کلاہ و بوریا ہیں تختِ تاج
 لے رہے ہیں خاتقاہوں سے خراج
 اپنے واعظِ قصّہ گو، افسانہ بند
 ان کے معنی پستِ تقریریں بلند
 ہیں خطیب و دیلمی کے خوشہ چیں
 شاذ و مرسل کچھ حدیثیں جزو دیں
 فرض ہے تجھ پر کہ خود قرآن پڑھے
 اور ہر شکل میں اس سے کام لے

زمانہ انحطاط میں تقلیدِ اجتہاد سے بہتر ہے

عہدِ حاضر ہے بہ الفاظِ دگر فتنہ پرور، فتنہ گر، فتنہ بسر

لہ فتنۃ عوداً مومہم بینہم زبراً (آیہ شریفہ) لہ یوم یبدع السّداۃ الخ شعی و منکر
 آیہ شریفہ لہ ایک فارسی شاعر کا تخلص لہ محدثین کے نام لہ ضعیف احادیث کی اقسام (مذکور کتب)

اس نے کاٹی شاخسار زندگی
اس نے ہم کو خود سے بیگانہ کیا
آتشِ دیرینہ دل سے چھین لی
مضمحل ہو جاتے جب نظمِ حیات
ہے رہ اسلاف جمعیت تری
لے خزاں میں بے نصیبِ برگِ بار!
بحر کھویا، اب زیاں اندیش بن
دے تجھے سیلاب شاید برتری
دیدۂ دل میں بصارت ہے اگر
دیکھ اس کے گرم و سردِ حال کو
خوں رگوں میں اب نہیں ہے جستِ خیز
تاکِ جاں ہر چہند افسردہ سہی
بزمِ اقوام کہن برہم ہوتی
کر دیا ہے ساز اپنا بے نوا
نور و نارِ لا الہ کی دھن گئی
قوم کو تقلید دیتی ہے ثبات
مسکبِ تقلید ہے طاقت تری
کب نمودِ گل ہے ترکِ شاخسار؟
جوتے کم مایہ! حفاظتِ کیش بن
پھر تری قسمت ہو طوفانِ پروری
کر نظرِ احوالِ اسرائیل پر
سخنِ تری جاں کو، دلِ پامال کو
ہے جہیں ہر سنگِ در پر سجدہ ریز
ہے نشانِ موسیٰ و ہاروں ابھی

ہے نوائے آتشیں محروم سوز
قوم میں ہر چند جمعیت نہیں
بزم دیرینہ تری برہم ہوتی
نقش دل پر معنی تو حید کر
اجتہاد اپنا بہ دور انحطاط
اجتہاد خام سے ہے سرسبز
عقل ان کی حرص فرسودہ نہ تھی
تھی نگاہ رفتگان باریک بین
اب وہ شانِ ملت تازی کہاں!
تنگ ہم پر رہ گزار دیں ہوتی
راز ہاتے دیں سے تو بیگانہ ہے
کہہ گیا ہم سے یہ نہاضِ حیات
دم مگر سینے میں باقی ہے ہنوز
سنت آبا ہے دل میں جاگزیں
کب سے ہے خاموش شمعِ زندگی
غصہ نہ کر، اسلاف کی تقلید کر
خود الٹ دیتا ہے ملت کی بساط
اقتدارے رفتگان محفوظ تر
مقصد ذاتی سے آلودہ نہ تھی
زہد تھا زہد رسالت کے قریں
ذوقِ جعفر کا دوشِ رازی کہاں
سطحِ بینی عینِ آگا ہی ہوتی
لے وہی آئین اگر فرزانہ ہے
اختلاف اپنا ہے مقراضِ حیات

ہے ایک آئینی مسلمان کی حیات
صرف قرآن ہی دل آگاہ ہے
سیکرمذمت ہے قرآنی ثبات
جمع ہو اس پر کہ جسل اللہ ہے
سلک قرآنی میں رہ مثل گہر
منتشر ورنہ رہے گا عمر بھر

سیرت ملی کی پختگی آئینِ الہیہ کے اتباع سے ہے

سُن کہ ذومعنی نہیں ہے شرع دیں
اس گہر کا خود ہے گوہرِ گر خدا
جز ضیاء کچھ اور گوہر میں نہیں
ظاہر و باطن ہے اس کا ایک سا
علمِ حق کیا ہے شریعت کے سوا؟
شرع کیا ہے؟ اصل دیں کا آئینہ
شرع کے آئین سے ہے ملت میں نظام
شرع سے ہوتی ہے علمی راہ طے
شرع میں مضمر ہے اصل اسلام کی
سب مقامات یقین کا آئینہ
نظمِ محکم ہے مگر شرطِ دوام
یہ عصا ہے اور یدِ بیضا بھی ہے
ہے یہی آغاز بھی انجام بھی

تار ہے تو حکمت دیں کا امیں
ہو اگر کوئی مزاحم بے سبب
یہ نہ ہو تو فرض اس کو مان لے
جنگ کے میدان میں دشمن اگر
شوق سے کرنے لگے پھر کاروبار
پختہ ہو اس کا نہ پھر حیب تک نظام
جان اس فرمان حق کے راز کو
شرع کا ہے یہ تقاضا وقت جنگ
جنگ ہے قوت کا تیری امتحاں
سختیوں سے پھر یہ کہتی ہے گزر
ہوتی ہے کب کوئی میشِ ناتواں
خوش اگر ہو کر ممولے سے لڑا

مجھ سے سن لے نکتہ شرع ہمیں
فرض منوائے اداے مستحب
زندگی کو عین قدرت جان لے
صلح کو سمجھے مال بے خطر
توڑ ڈالے اپنے سب حصنِ حصار
تاخت اس کے ملک پر سمجھو حرام
زندگی خطرات سے خالی نہ ہو
شعلہ بن کر چیر دے تو حلقِ سنگ
راہ میں لاتی ہے لاکھوں سختیاں
سینۃ الوند رکھ دے چیر کر
لائقِ سرِ پنجہ شیر زیاں
صید سے سمجھو، زبوں تر ہو گیا

شارع راز آشنائے دہرنے
آہن اعصابی عمل سے دی تجھے
کر دیا خستہ دلوں کو استوار
ہے جو دینِ مصطفیٰ دینِ حیات
یہ زمیں سے آسماں کر دے تجھے
شرع سے آئینہ بن جاتا ہے سنگ
جب سے کھویا ہے شعارِ مصطفیٰ
وہ نہال استوار و سر بلند
جب سکونت وادی بطحائیں تھی
مثل نے بادِ عجم نے کر دیا
شیر کو جو جانتا تھا گوسفند
جس کا نعرہ کرتا تھا پتھر کو آب
نسخہ قدرت لکھا ترے لئے
جو دیئے تجھ کو مقامِ اچھے دیتے
پختگی بخشی مثال کو ہسار
شرع ہے تفسیرِ آئینِ حیات
سرِ حق کا راز داں کر دے تجھے
یہ اڑاتی ہے دل آہن سے رنگ
قوم نے راز بقا بھی کھودیا
مسلم صحرا، سبک سیری پسند
تربیت بھی گرمی صحرا نے دی
اس ہوا سے سوکھ کر کاٹا ہوا
چیونٹی کے سامنے ہے درمند
صوت، بلبل سے اسے ہے اضطراب

کوہ کو بھی جو کبھی کہتا تھا کا ہ
توڑتا تھا جو کبھی اعدا کا سر
تھے کبھی جس کے قدم ہنگامہ خیز
تھا کبھی فرمان جس کا ناگزیر
اب اسے وصف قناعت ہے ساز
شیخ احمد سید گردوں جناب
سبزہ بھی ان کے مزار پاک کا
ایک دن بولے مریدوں سے حضور
لاکھ اس کی فکر لا محدود ہے
قول اس آقا ؐ ملت کا نہ بھول
فکر کی نسبت عرب سے چاہئے
کر رہا ہے اب تو کل سے نباہ
ہے اسے سینے کی دھڑکن سے خطر
اب فقط عزت گزینی میں ہے تیز
جس کے در کے تھے کبھی سلطان فقر
اب گدائی پر کیا کرتا ہے ناز
مہر جن کے نور سے ہے فیضیاب
جہاں گستا ہے لا الہ کہتا ہوا
رہنا افکار عجم سے دور دور
اس پہ راہ دین حق مسدود ہے
رمز، بھائی! اس نصیحت کو نہ بھول
تا کہ مسلم اصل میں مسلم بنے

حسنِ سیرت ملیہ کا بیان جو آدابِ محمدیہ درسِ ادب کے حصول میں مضمر ہے

ایک دن اک سائل معذو نے درہمار اکٹکھٹایا زور سے
میں نے اس کے سر پہ ڈنڈا جڑ دیا جو بھی تھا کشکول میں سب گر پڑا
عقل آغا از جوانی میں بھلا سوچتی ہی کب ہے اچھا اور برا
میسر والد نے جو دیکھا ماجرا دیکھتے ہی زرد چہرہ ہو گیا
اور پھر آنکھوں میں آنسو آ گئے آنکھ سے رخسار پر بہنے لگے
بھول کر جیسے پرندہ تپچھے شاخ پر بادِ سحر سے کانپ اٹھے
میں بھی تڑپا یہ قیامت دیکھ کر دل نہ سنبھلا ان کی حالت دیکھ کر
وہ یہ بولے ”کچھ خبر بھی ہے تجھے کل جب آتیں گے نبی کے سامنے
غازیانِ ملت بیضاتمام حافظانِ حکمت رعنا تمام

ان میں ہوں گے سب شہیدانِ کرام
زاہدوں میں عاشقانِ دل و فکر
پیش پیغمبر و ہیں روتا ہوا
کیا کہوں گا میں؟ مجھے تو ہی بتا
تجھ کو یہ فسرِ زندگی نے دیا
کارِ آساں میں رہا تو مضحک
نرم گفتارِ ملامت تھی ادھر
"ڈال" وہ پھر مجھ سے بولے اے سپر!
دیکھ پھر تو یہ میری ریش سفید
یا پپر یہ جو رنا زیا نہ کر
تو کہ شاخِ مصطفیٰ کا غنچہ ہے
رنگ و بو کے ساتھ تجھ کو چاہئے
جن کا اونچا ہے ستاروں سے مقام
عالموں میں عاصیانِ شرمسار
یہ گدائے بے نوا بھی آئے گا
مجھ سے جب پوچھیں گے فخرِ انبیا
کیوں مرے آداب سے غافل رہا؟
بن سکا آدم نہ یہ انبارِ گل
سخت شرمندہ ادھر تھا میں مگر
امت خیر البشر پر اک نظر
اور میرا لرزہ بیم و امید
پیش مولیٰ بندے کو رسوا نہ کر
پھول بن جانے سے کیوں وارستہ ہے
خُلق ان کے خُلق سے حاصل کرے

مرشدِ رومی کا یہ ارشاد ہے
دامنِ ختمِ الرسل مت چھوڑنا
طبیعِ مسلم ہے، میاں! رحم و کرم
جس نے انگلی سے کیا مہ کو دو نیم
راہ سے اس کی اگر بھٹکا کہیں
تیرا گلشن ہے ہمارا گلستاں
نغمہ سپرا ہو تو سب کے ساتھ ہو
زندگی کا جو بھی ہے سرمایہ دار
تو اگر اہلِ چمن سے ہے تو بن
ہے اگر شاہیں تو دریا میں نہ جی
ہے جو انجم، اپنے گردوں پر چمک
قطرہ لے جائے جو نیساں سے پرے

جن کے قطرہ میں سمندر شاد ہے
منہ اگر موڑے تو خود سے موڑنا
ہاتھ ہوں یا ہوزبان، رحم و کرم
خود ہے رحمتِ خلق ہے اس کا عظیم
یہ سمجھ لے تو کہ ہم میں سے نہیں
رہ ہمارا ہم صیفر و ہم زباں
سب کا نغمہ ایک ڈھب کے ساتھ ہو
موت ہے اس کی رہِ ناسازگار
ہم نوائے نغمہ سنجان چمن
خلوتِ صحرا ہے تیری زندگی
دائرے سے اپنے باہر مت پٹک
پرورش اس کی گلستاں میں کرے

تیرا مقصد ہو کہ فیضانِ بہار
صبح دم جیسے شعاعِ آفتاب
اس کے جوہر میں رہے گا پھر وہ نم؛
تیرا گوہر بھی ہے بس اک موجِ آب
قطرۂ نیساں سمندر سے جدا
بحر میں رکھ کر اسے گوہر بنا
طینتِ مسلم ہے اک درخوشِ آب
آبِ نیساں ہے تو اس قلم میں پل
پھر جہاں میں غیرت خورشید ہو
صاحبِ تابا بانی جاوید ہو
اس کو دے دے غنچہ نو کا نکھار
ہر شجر کے واسطے بنتی ہے تاب
سالماتِ قطرہ میں ہو گا وہ رم؛
اور ہر صورت میں ہے شکلِ سراب
اور کیا ہے اشکِ شبنم کے سوا
آسماں تک ہے ستارے کی ضیا
اس میں ہے بحرِ نبی سے آبِ تاب
بن کے موتی اس سمندر سے نکل
صاحبِ تابا بانی جاوید ہو

بیانِ حیاتِ ملیہ جسے مرکزِ محسوس کی ضرورت ہے
اسی کو بیتِ الحرام کہتے ہیں۔

کھوتا ہوں عقدہ کارِ حیات
فکر کی صورت ہے اس میں خمِ دہری
یہ جہانِ دیر و زود اس کا نہیں
ڈال اپنی ذات پر تو اک نظر
آتشِ نادیدہ ہو جب تک بلند
اس کی روحِ تک نظر آئے سکوں
آتشِ خاموش رہ کر سر بسر
فکر تیری ہے گراں خیز اور لنگ
زندگی مرغِ نشیمن ساز ہے
ہے قفس میں روحِ آزادی بھی ہے
بال و پر ہیں اس کے پروازی مزاج
کرتی ہے پیدا وہ خود دشواریاں

تا ہو تو آگاہِ اسرارِ حیات
ہر جہت سے اس کا دامن ہے بری
وہ اسیرِ ماضی و فردا نہیں
جز رمِ پیہم ہے کیا؟ اسے بخیر!
کر دہویں سے اپنے اس کو پردہ بند
رہتی ہے وہ آبِ گوہرِ کافسوں
لالہ بن کر اگتی ہے پھر شاخ پر
گلِ نشینی ہے اسے پروازِ رنگ
رنگ کیا کچھ اور جز پرواز ہے؟
نغمہ پیرا بھی ہے، فریادی بھی ہے
کرتی ہے اپنے مرض کا خود علاج
پھر بناتی ہے انہیں آسانیاں،

تازہ کر لیتی ہے خود ذوق خرام
دوش و فردا حال کے زائید ہیں
دمبدم نو آفریں اور تازہ کار
سانس بن کر کرتی ہے سینے میں گھر
تکمر بن کر ڈالتی ہے خود گرہ
کھول کر خود آنکھ بنتی ہے شجر
دست و پا اور چشم و دل بنتی ہے خود
خود ہے محفل آفرینی زندگی
زندگی مرکز پہ ہوتی ہے بہم
دائرہ ہے جیسے نقطے میں نہاں
ہے فقط مرکز سے قائم ضبط و نظم
اپنا سوز و ساز ہے بیت الحرم

پا بگل ہو کر حیات تیز گام
ساز اس کے سوز میں خوابید ہیں
دمبدم مشکل گر اور آساں گزار
مثل بورہتی ہے ہر دم رہ سپر
اپنے ہی حلقوں سے بنتی ہے زرہ
دانہ ہے جب تک تو خود ہے برگ بر
یہ لباس آب و گل بنتی ہے خود
آپ ہی ہے تن گزینی زندگی
ہے اسی صورت سے میلاد اہم
حلقہ و مرکز ہیں مثل جسم و جاں
قوم کا مرکز ہے اصل ربط و نظم
راز دار اور راز ہے بیت الحرم

سائنس کی صورت ہاں پلتے ہیں ہم
اس کی شبنم سے ہے اپنا گلستاں
اس کے ذروں سے ہے روشن آفتاب
اس کے دعوے کی دلیل اپنا وجود
اس کے دم سے ہم بلند آوازہ ہیں
طوف سے اس کے ہے ملت ہم نفس
اپنی کثرت اس سے وحدت میں ٹہلی
ہم ہیں خود زندہ حرم کے طوف سے
جز بہ جمعیت نہیں جانِ ام
کھول آنکھیں حالِ کچھ دنیا کا دیکھ
ہاتھ سے جب دامنِ مرکز چھٹا
گو دین نبیوں کی جو امت پئی
ہے وہی سینہ جہاں پلتے ہیں ہم
اس کے زرم سے ہیں اپنی کھیتاں
وارتا ہے اس پہ تن من آفتاب
یعنی برہانِ خلیل اپنا وجود
اور قدم کے ساتھ ہم شیرازہ ہیں
مثل صبحِ مہر پابندِ قفس
اپنی خودداری اسی گھر میں پئی
اور پائندہ حرم کے طوف سے
اپنی جمعیت بھی ہے سرِ حرم
آج انجامِ امتِ موسیٰ کا دیکھ
رشتہ جمعیتِ ملت گیا
تھے خفی بھی جس کو اسرارِ علی

جب ہوئی غافل تو چوٹ ایسی پڑی زندگی خوں ہو کے آنکھوں سے بہی
مزرعِ ملت سے نم جاتا رہا شاخِ ہستی کا بھرم جاتا رہا
بیکسی میں ہم زباں سب گم ہوئے ہم نوا، ہم آشیاں سب گم ہوئے
شمعِ مردہ، نوحہ خواں پر دانہ ہے کتنا عبرت خیز یہ افسانہ ہے
جو رگروں سے ہے تو بھی خستہ تن ہے اسیرِ التباس و وہم وطن
اب بدل لے پیرِ ن احرام سے صبح پیدا کر غبارِ شام سے
ڈوب جا سجدے میں آبا کی طرح بن انہیں سجدہ سراپا کی طرح
لے کے آئے پیشِ حق ایسا نیاز جس کے آگے جھک گیا دنیا کا ناز
راہِ حق میں آبلہ پائی کے بعد گلِ بد اماں تھے جبینِ سائی کے بعد
حقیقی جمعیتِ ملی نصبِ العین پر مضبوط گرفت کا نا ہے
اور امتِ محمدیہ کا نصبِ العین توحید کی حفاظتِ اشاعت ہے
مجھ سے سن کیا ہے زبانِ کائنات ہیں، سمجھ، الفاظِ اعمالِ حیات

گر کسی مقصود سے وابستہ ہے زندگی کافی مطلع برجستہ ہے
اس کو مقصد کی اگر ہمیز ہو تو سن ہستی ہو اسے تیز ہو
مدعا سے ہے بہتائے زندگی جمع ہیں اس سے قوائے زندگی
زندگانی ہو اگر مقصد شناس ضابطہ اسباب عالم ہوں حواس
شرط ہستی ہو جو مقصد کا حصول ہو اسی کے واسطے رد و قبول
نا خدا پلتا ہے ساحل کے لئے جادہ پیائی سے منزل کے لئے
داغ پروانہ بنا ہے ذوق سوز وجہ طوف شمع کیا ہے ذوق سوز
قیس آوارہ ہے صحرائیں اگر محمل لیلے ہے مقصود نظر
شہر کے اندر اگر لیلے ملے پھر کوئی صحرا بصر اکیوں پھرے
ہر عمل کا دم قدم مقصود ہے ہر عمل کا کیف و کم مقصود ہے
گردش خوں کی رگوں میں ہے بنا صرف اک سعی حصول مدعا
گر مہی مقصد سے ہے سوز حیات ہے وہی سرمایہ اندو حیات

مددِ عا ہی قوتِ اعصاب ہے
بہر دست قومِ گلِ چینی ہے یہ
شاید مقصود کا دیوانہ پن
نغمہ سازِ تم نے کیا اچھا کہا
”پاؤں کے کانٹے پہ ڈالی تھی نظر
ایک لمحے کے لئے غافل ہوا
یہ کہن تن جس کا عالم نام ہے
ستونیتاں بو کے اک نالہ اگا
سیکڑوں نقشوں پہ کی مشق ہنر
جب دیانالوں سے جانوں کو فروغ
مدد توں لڑتا رہا اصرار سے
سازِ ہمت کے لئے مضرب ہے
سیکڑوں نظروں کی یک بیتی ہے یہ
شمعِ مقصد ہی کا تو پر دانہ بن
ساز کو سازِ معافی کر دیا
چھپ گئی محمل نگاہوں سے ادھر
دور لاکھوں کوس منزل سے ہٹا
امتزاجِ امہاتِ اندام ہے
خونِ صد گلشن سے اک لالہ اگا
تب ہوا جا کر ترارِ رخ جلوہ گر
تب ملا ہے ان اذنان کو فروغ
میل کے۔ آقا یاں باطل کار سے

۱۔ ملک قمی (ایک ایرانی شاعر) نے رقم کہ خارِ ار پاکشم محمل ہناں شد از نظر سے یک لحظہ غافل گشتم و صد
راہم دور شد سے امہات۔ عناصر (دکوکب)

تختم ایماں آخرش بویا گیا
نقطہ ادوار ٹھہرا لا الہ
ہے اسی سے چرخ میں گردندگی
گوہر اس کی تاب سے گوہر بنا
خاک اس کی پرورش سے گل بنی
تاکٹ میں ہے اس کے شعلے کی لپک
اس کے نغموں کا ہے گھر ساز وجود
ساز ہستی ہے تراخون بدن
تیری ہستی ہے صلہ کبیر کا
بانگِ حق جب تک نہ ہو جائے بلند
دیکھ پرٹھ کر آیہ اُم الکتاب
آب و تاب چہرۂ ایام ہے

کلمۂ توحید لب پر آ گیا
انتہائے کار ٹھہرا لا الہ
مہر میں پابندگی، رخشندگی
ہے اُسی سے سلسلہ امواج کا
بلبل اس کے سوز سے بلبل بنی
خاکِ مینا میں اسی کی ہے چمک
ہاں سجا لے نغمہ گر! ساز وجود
تو اسی کے تار پر ہوزنمہ زن
حفظ و نشر لا الہ ہے مدعا
جو بھی مسلم ہے رہے گا درد مند
اُمّتِ عادل ہے ترا ہی خطاب
تو یہاں شاید علی الاقوام ہے کہ

یہ گردندگی گردش ہے تاک انگور کی پل سے آئیہ شریفی و گنڈا لک جَعَلْنٰکُمْ اُمَّةً وَ سَطَّ لَیْسَکُمْ لَہٗ شَعْدَ اء
مَعْنٰی النَّاسِ کی طرف اشارہ ہے۔ (کوکتب)

نکتہ سنجوں کو صلائے عام دے علمِ اُمّیؑ کا انہیں پیغام دے
کیسا اُمّی جو ہوئی سے ہے برّی قول اس کا مَآغُوٰیؑ سے ہے بری
انگلیاں رکھ کر بہ نبضِ کائنات اس نے کھولے رازِ تقویمِ حیات
داغِ تھے جتنے قبائے دہر پر دہو دیتے اُس نے فیضِ یکِ نظر
زیست اس کے دین سے وابستہ اور اس آئین کی پالستہ ہے
ہے کتاب اس کی تمے زیرِ بغل پھر تو میدانِ عمل میں تیز چل
فکرِ انساں تنگری ہے جس کی خو کر رہی ہے نقشِ نو کی جستجو
اس کو خوئے آذری ہے خوشگوار گھڑ لیا ہے اک نیا پروردگار
خونِ نشانی ہے اسے وجہِ طرب نام اس کے رنگ اور ملک و نسب
چمڑھ رہی بھینٹ اب تک سرسبز آدمیت اس کی قرباں گاہ پر
تو ہے ورثہ دارِ مینائے خلیلؑ ہے رگوں میں تیری صہبائے خلیلؑ

۱۔ رسولِ اُمّیؑ لے قول باری تعالیٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ کی طرف اشارہ ہے۔ ۲۔ رسولِ کریم کے
بارے میں ارشاد باری تعالیٰ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ کی طرف اشارہ ہے (کوکب)

کر دو نیم اس حق نما باطل کا سر تیغِ لَدَا مَوْجُودَ إِلَّا یُکْصِیجُ کر
دور یہ تاریکی ایام کر اپنی اُس تکمیل دیں کو عام کر
کیا نخل ہو گانہ تو روز شمار؟ جب کہیں گے آبروئے روزگار
حرفِ حق کی جو امانت ہم سے لی اس کی دنیا میں اشاعت کیوں نہ کی؟

توسیعِ حیاتِ ملی نظامِ عالم کی تسخیرِ قوی کا نام ہے

تو کہ عبید ہستیِ نادیدہ ہے سیل ہے ساحل سے دامن چیدہ ہے
باغِ ہستی میں شجر بن، جڑ پکڑ دل لگا غائب سے اور حاضر سے لڑ
ہستی حاضر ہے کیا؟ تفسیرِ غیب بنتی ہے دیباچہ تسخیرِ غیب
ماسوا تسخیر کی خاطر بنے امتحانِ تیر کی خاطر بنے
"کن" سے حق نے ماسوا پیدا کئے دے دیا ہے غیر حق پر حق تجھے
فرحتِ عقدہ کشائی کے لئے زحمتِ عقدہ کشائی چاہئے

تو کلی ہے تو چمن تعمیر کر
کارِ نادر ہے اگر ممکن تو کر
جس نے محسوسات پر قبضہ کیا
کر لیا جس نے ملائک کو شکار
پہلے محسوسات کی کھولی گرہ
کوہ و صحرا کیا ہیں؟ کیا ہیں بحر و بر؟
ہے تری کم آگہی کی انتہا
کھول، غافل! دیدہ مخمور کو
اس کا مقصد ہے تری توسیع ذات
مارتا ہے تجھ کو رکھنے کے لئے
مار سینے پر کوئی سنگِ گراں
یہ جہاں ہے نیک بندوں کے لئے
ذرہ ہے تو ہر کی تسخیر کر
مشیر برفِ دہر کا پگھلا جگر
ذرے سے تعمیر عالم کر لیا
پہلے آدم پر کیا تھا اس نے وار
تب ہی موجودات کی کھولی گرہ
تختِ ہائے مشقِ اربابِ نظر
عالم اسباب کو، دوں، کر دیا
'دوں، نہ جاں اس عالم مجبور کو
یہ جہاں ہے امتحانِ ممکنات
خون کی گرمی پر کھنے کے لئے
ہے یہی تو امتحانِ استخوان
اس کا جلوہ حق پسندوں کے لئے

یہ جہاں ہے کارواں کی رہگذار
کر شکار اس کو، نہ بن اس کا شکار
تیرا رخسار فکری ہو بالا پرست
احتیاج زندگی ہے راہبر
تا کہ تسخیر نظام دہر سے
نائب حق ہو جہاں میں آدمی
تیری تنگی کو ہو پہنائی نصیب
دہر میں پشت ہو اپر ہو سوار
کو ہزاروں کی رگوں سے خوں نچوڑ
اک فضا سے سو جہاں ہوں گے عیاں
آشنائے جلوہ کرنا دیدہ کو
لے چمک خورشید عالم تاب سے

یہ جہاں ہے نقد مومن کا عیار
ورنہ سمجھے گا تجھے خدمت گزار
وسعت گردوں ہے اس کی ایک جہت
ہے زمیں پر رہ کے بھی گردوں سپر
پختہ تر تیری ہنرمندی بنے
ہو عناصر پر گرفت اس کی کڑی
دست قدرت کو ہو گیرانی نصیب
تیرے قابو میں رہے یہ راہوار
ایک گوہر قعر دریا میں نہ چھوڑ
سیکڑوں سوچ ہیں ذروں میں نہاں
کھول دے اسرار ناہمیدہ کو
برق طاق افروز لے سیلاب سے

ثابت وسیارہ، یہ گردوں وطن
آج یہ سب پیکر ان فور پوش
جستجو کو سختہ کرتد پیر سے
کھول کر آنکھیں ذرا اشیا کو دیکھ
حکمت اشیا سے ہو گر سرفراز
صورت ہستی بھی ہے معنی سے پر
پوچھ اس کا سر کسی ہشیال سے
تو ہے مقصود خطاب انطری
قطرہ مخوف سوزی ہے اگر
بحر میں بھی اہل گوہر ہے وہی
پھول کی صورت کا متوالا زبن
حکمت اشیا کا جو ہے راز دار

پو جتی تھیں ان کو اقوام کہن
آدم خاکی کے ہیں ملقہ بگوش
پھر نیٹ آفاق کی تسخیر سے
نشہ پوشیدہ صہبا کو دیکھ
نا توں سمجھے تو انائی کا راز
یہ پرانا ساز بھی رکھتا ہے سر
خود لپٹ جائے جو اس کے تار سے
تجھ میں کیا باقی نہیں دیدہ وری؟
تاگ میں مے، گل پہ شبنم کا گہر
ضوفشاں مانند اختر ہے وہی
معنی گلزار میں ہو غوط زن
ہے وہی برق و حرارت پر سوار

حرف لے اڑتا ہے معنی کی طرف غیر زخمہ نغمہ ریزی کی طرف
تورہ شکل سے ہے نا آشنا زیست کی منزل سے ہے نا آشنا
ہمسفر تیرے ہوئے منزل نصیب لیلیٰ معنی کو لے آتے قریب
تو مثالِ قیس ابھی آوارہ ہے! خستہ ہے، واماندہ ہے، بیچارہ ہے!!
علمِ آسمان سے ہے آدم کا وقار حکمتِ اشیا ہے انساں کا حصار

حیاتِ ملیہ کا کمال یہ ہے کہ ملتِ فرد کی طرح احساس
خودی پیدا کرے اور اس احساس کی تولید و تکمیل
ملی روایات کے ضبط ہی سے ممکن ہے

دیکھ بچے کو ذرا بالغ نظر! اپنی اصلیت سے ہے جو بے خبر
فرقِ قرب و بعد سے واقف کہاں چاہتا ہے چاند کی پکڑے عناں
لے آئے شریف و علمہ آدمِ الاسماء کی طرف اشارہ ہے۔ (کوکتب)

ہوش رکھتا ہے ابھی ماں کے سوا
زیر و بم سے کان ہیں نا آشنا
پیش پا افکار کا دلدادہ ہے
جستجو ہی پر ابھی مجبور ہے
کسنی ہے این و آل کی نقش گیر
پشت سے رکھ دو اگر آنکھوں پہ ہاتھ
فکرِ خام اس کی میانِ روزگار
چھوڑ کر صیدِ سبک رو کی طرف
مشتعل جب تک ہو آگ افکار کی
آنکھ اٹھتی ہے فقط تن کی طرف
حافظ کرتا ہے اس کو خود شناس
روز و شب اس کے ہیں یوں باہم درگر

گریہ کا یا دودھ کا یا نیند کا
نغمہ اس کو شور ہے زنجیر کا
گفتگو میں بھی نہایت سادہ ہے
گفتگو چون و چرا سے دور ہے
غیر جوئی غیر بینی کی اسیر
چھوڑ دیں اس کے حواس کدہ ہی ہاتھ
پر گشتا ہے مثلِ بازِ نو شکار
موڑ لاتی ہے اسے اپنی طرف
گلفشان پہ بھڑی پندار کی
ملفت رکھتی ہے بس من کی طرف
دوش و فردا کو بلاتے ہیں حواس
جیسے پیش دپس لڑی میں ہوں گھر

ہوتے رہتے ہیں کم و بیش آب و گل
ہے یہی فکر من "آغاز حیات
طفل ہی ہے ملت نوزادہ بھی
یہ خودی سے اپنی ہے نا آشنا
دوش و فردا آشناؤں میں نہیں
چشم ہستی میں یہ پتلی ہے سرور
اپنے دل کی ساری گریں کھول دے
دل سے لگ جائے بکار روزگار
نقش اس کے کچھ تولے کچھ چھوڑ دے
فرد توڑے رشتہ ایام اگر
شمع ملت کی ضیا تاریخ ہے
ذہن سے ماضی نکل جائے اگر
"میں وہی ہوں سوچتا رہتا ہے دل
نغمہ بیداری ساز حیات"
خود وہی، آغوشِ مادر بھی وہی
جیسے اک موتی ہو مٹی میں پڑا
حلقہ ایام پاؤں میں نہیں
اپنی نظروں سے مگر رہتی ہے دور
تب سرتار خودی شاید ملے
پھر شعورِ تازہ ہوگا پائدار
سرگزشت اپنی مکمل یوں کرے
شانہ ادراک ٹوٹے سرسبز
خود شناسی کی بنا تاریخ ہے
چل پڑے قعرِ عدم کی راہ پر

نسخہ ہستی کا تیرے ہوشمند! رشتہ آیام ہے شیرازہ بند
ہے یہی رشتہ ہمارا پیرہن سوئی ہے حفظِ روایات کہن
تو جو یوں تاریخ سے بیگانہ ہے کیا کہانی ہے؟ کوئی افسانہ ہے!
تو اگر تاریخ سے آگاہ ہے آشنائے کار و مردِ راہ ہے
روح کا سامانِ راحت ہے یہی پیکرِ ملت کی قوت ہے یہی
پہلے دیتی ہے تیرے خنجر کو دھار پھر صلائے کارزارِ روزگار
کس قدر یہ سازجاں ہے دلِ پذیرِ نغمے ہیں گائے ہوتے اس میں اسیر
شمعِ افسردہ میں اس کا سوز دیکھ دوش کا آئینہ امروز دیکھ
کو کبِ بختِ اُمم ہے یہ دیا امشبِ دلِ شب میں ہے اس کی ضیا
عہدِ رفتہ پر بھی ہے اس کی نظر یہ دکھاتی ہے تجھے خود دیکھ کر
عرقِ دوشینہ اسی ساغر میں ہے! کیفِ پارینہ اسی ساغر میں ہے!!
ساری ملت اس نے زبردِ اُکی بن کے طائرِ کھرچمن سے اُگتی

یا دکر تاریخ کو، پائندہ ہو ان گئے انفاس سے پھر زندہ ہو
دوش کو ہر شتہ امروز کر زندگی کو مرغ دست آموز کر
رشتہ ایام کو کر زیر دست در نہ ہو گا روز گور اور شب پرست
عہد رفتہ ہی بنائے حال ہو حال کا آئینہ استقبال ہو
رشتہ ماضی بہ استقبال حال ہے نشان زندگی لازوال
موج ادراک تسلسل ہے حیات! میکشوں کو شور قلقل ہے حیات!

نوع انسانی کی بفتا امومت سے ہے اور

امومت کا حفظ و احترام اسلام ہے

زخمہ زن ہے زن اگر، ہے مرد ساز ہے نیاز زن سے قائم اس کا ناز
مرد اگر ہے تن تو ہے پوشاک زن حسن دل جو عشق کا ہے پیرہن!

۱۵ روز گور: چھ دن میں نظر نہیں آتا ۱۶ آئینہ شریف گھنٹہ بیاسی لکھنؤ (عمریتیں بہتار اباس ہیں) کی طرف اشارہ ہے (کوکت)

عشق اس کی گود کا پروردہ ہے
جس پہ نازاں ہے وجود کائنات
جس مسلمان نے اسے سمجھا کنیز
کیوں امومت کو نہ رحمت جانے
اس کی شفقت شفقت پیغمبری
اپنی یہ تعمیر امومت ہی سے ہے
اس جگہ ذہن رسا کب رکتے ہیں
یاد رکھ یہ قولِ وحبہ کن فکاں
عزتِ ارحام ہے ملت کا کام
ہے امومت جوش رفتار حیات
اپنے دریا کا وہی ہے پیچ و تاب
ایک وہ لڑکی کہ ہے جاہل، گنوار

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ (حدیث)

اس نوائے راز کا وہ پردہ ہے
تھیں پسند اس کو نسا، طیب صلوٰۃ
رمزِ قرآن کی نہیں اس کو تمیز
جبکہ نسبت ہے نبوت سے اُسے
سیرتِ اقوام کی صورت گری
صورتِ تقدیر امومت ہی سے ہے
حرفِ اُمت میں ہزاروں نکتے ہیں
ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے جاں
ورنہ کار زندگی ہے نامتھام
ہے اسی سے کشفِ اسرار حیات
ہے اسی سے موج و گردابِ حباب
پستہ قد، فریہ بدن، تیرہ عذار

تربیت اچھی نہ اچھی پرورش
زچگی کے بعد وہ حال زبوں
پھر بھی گرمّت کو اس کی گود سے
اس کا غم طاقت ہے ملت کے لئے
اک یہ لڑکی جو تہی آغوش ہے
فکرِ مغرب کا مگر مخزن ہے یہ
توڑ دیں ملت کی اس نے بندشیں
ہے سراسر شوخ چشم اور فتنہ زا
علم اس کا ہے نہالِ بے ثمر
اس کو ہے بارِ امومت سے گریز
دور بہتر ہے یہ گل اس باغ سے
اپنی خاکستریں انگارے بہت

کم نظر کم گو ہے اور سادہ روش
گرد آنکھوں کے وہ حلقے نیلیوں
مرد غیبت مند و حق پرور ملے
اس کا دم رحمت ہے ملت کے لئے
گو قیامت ہے، جواہر پوش ہے
زن ہے لیکن اصل میں نازن ہے یہ
آنکھ میں عشوے ہیں دل میں شورشیں
اس کی آزادی جیانا آشنا
بے ثمر، بے غنچہ و گل، بے بصر
نجسم ہے لیکن نہیں ہے نور ہیز
شرم آتی ہے ہمیں اس داغ سے
لا الہ کہتے ہوئے تالے بہت

جو سوا دکیف و کم سے دور ہیں پر دہ ظلمات میں مستور ہیں
وہ شرارے برقی نامشہود کے ہیں ہماری ظلمتِ موجود کے
پھول تک شبنم ابھی آئی نہیں لی ابھی غنچوں نے انگریز آئی نہیں
کاشش ہو یہ لالہ زار ممکنات رونقِ صحنِ ریاضِ اُمہات
قوم کا سرمایہ اے صاحبِ نظر! کب ہے یہ نقد و قماشِ وسیم و زر
مال ہیں فرزند ہائے تندرست ذہن ہیں اعلیٰ بدن میں چاق و چست
حافظِ رمزِ اخوت مائیں ہیں قوتِ قرآن و ملت مائیں ہیں

مسلمان عورتوں کے لئے سیدۃ النساء فاطمہ زہرا
اسوۂ کاملہ ہیں

تدرِ مریم حضرت عیسیٰ سے ہے تدرِ زہرا کیلئے ہیں تین شے
احمد مختار کی دختر ہیں یہ سید ابراہیم کی دختر ہیں یہ

دہر کا آئین نوجن کی زباں
مرتضیٰ مشکل کشا، شیر خدا
ایک تلوار، اک زرہ سامان تھا
راہِ حق میں کارواں سالارِ عشق
اور کیا، تاج و نگیں ٹھکرا دیئے
قوتِ ہا زوئے احسارِ جہاں!!
حریت آموزِ عالم ہیں حسینؑ
جو ہر صدق و صفا ماؤں سے ہے
ماؤں کو ایک درسِ کامل ہیں بتولؑ
اب تو کوئی اپنی چادرِ بیچ دے
اپنے شوہر کی مگر فرماں پزیر
لب پہ قرآں آسپارانی کے ساتھ

باپ ان کے وجہِ خلق دو جہاں
شوہر ان کے تاجدارِ ہل آتی
دیکھ حال اس شاہ کے ایوان کا
ایک بیٹا مرکزِ پرکارِ عشق
آتشِ فتنہ بجھانے کے لئے
دوسرا مولائے ابرارِ جہاں!
زندگی کا سوزِ بہم ہیں حسینؑ
وصفِ بہ اولاد کا ماؤں سے ہے
مرزعِ تسلیم کا دل ہیں بتولؑ
اک گدائے بے نوا کے واسطے
آتشِ نوری نگاہوں میں حقیر
شکر، کھا کر نانِ جو پانی کے ساتھ

دامنِ بالش سے گریہ لے نیاز گوہر افشانی کو دامنِ نماز
گوہر اشک اس کے جبریل ایٹ لے کے جاتے جانبِ عرشِ بریں
سامنے ہے میرے آئینِ خدا اور فرمانِ جنابِ مصطفیٰ
لوٹا ورنہ مزارِ پاک پر سجدے کرتا جا کے اس کی خاک پر

خطاب بہ محذراتِ اسلام

تیسری چادر پردہ ناموس ہے روشنی تیری دلِ فالوس ہے
پاک طینت تیری رحمت ہے ہمیں زور دیں، بنیاد ملت ہے ہمیں
دودھ سے جونہی ہٹی اسکی نگاہ تو نے بچے کو سکھایا لا الہ
مہر سے تیری ملے اطوار بھی فکری بھی، گفتار بھی کردار بھی
جو تری آغوشِ رحمت میں پلے برق بن کر کوہِ و صحرا میں پھرے
تو امینِ نعمتِ آئینِ حق تیری سانسوں میں سوزِ دینِ حق

عصر حاضر ہے سراسر پر فتن
اس کی دانش کو ریزداں ناشناس
آنکھ بیباکی کی اک تصویر ہے
اس کے کشتوں کو ہے جینے کی امید
آب بندِ نخلِ جمعیت ہے تو
خدرشہ سود و زیاں سے دور رہ
بہ نہ جائیں سیلِ نو کے جوش میں
پر کشا ہونے سے پہلے یہ طہور
اپنی فطرت دیکھ، پھر دنیا کو دیکھ
پھر ملے شاید تجھے دنیا میں چین
نقد دیں کا کاروانِ راہزن
اس کے پیرو سب پر اگندہ حواس
پنجہ شترگاں بھی دامن گیر ہے
قید کو کہتے ہیں آزادی کی دید
حافظِ سرمایہ ملت ہے تو
شیوہ اسلاف پر مامور رہ
اپنے فرزندوں کو لے آغوش میں
جا پڑے ہیں آشیاں سے اپنے دور
چشمِ دل سے اُسوۂ زہرا کو دیکھ
گو دیں آئے تری کوئی حسینؑ

مثنوی کے مطالب کا خلاصہ سورۃ اخلاص کی روشنی میں

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ

ایک شب صدیقؒ آئے خواب میں
آمن الناسؑ اور وہ مخلص قدیم
کشت ملت کے لئے ہارندہ ابر
عرض کی میں نے کہ تو ہے جانِ عشق
تو محافط ہے اساسِ کار کا
آپ بولے "صیدِ لالچ کا نہ ہو
یہ نفس سینوں میں ہے جوتا رسا
رنگ اس کالے کے بن اس کی مثال
نام تیرا جس نے مسلم کر دیا
نام تیرا ترکِ افغان ہے ابھی
نام کا اب یہ بتِ دیرینہ توڑ
نام کے چکریں تو ایسا پڑا
آسماں سے پھول بر سے خواب میں
اپنے کوہ طور کا پہلا کلیم
ثانی اسلام، انیس غار و بدر
عشق تیرا مطلع دیو ان عشق
کچھ علاج اب اس مرض کا بھی بتا
سامنے رکھ سورۃ اخلاص کو
کچھ نہیں ہے سترِ وحدت کے سوا
تا کہ اس کا بن سکے عکسِ جمال
پاک بھی تجھ کو دورنگی سے کیا
جو کبھی تھکا آجتا تو ہے وہی
خم سے وابستہ ہو تو شیشوں کو چھوڑ
خام ہی اپنے شجر سے گر گیا

لَا آمَنَ النَّاسُ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِمْ وَمَا لِيهِمْ أَبُؤُ بَكْرًا (حدیث)

ایک کا ہو جا، دوئی سے کر خذر
ایک کے بندے! جواب تک تو ہے تو
گوش دل سے بات سن یہ راز کی
سو بنالیں ایک ملت چھوڑ کر
ایک ہو، توحید کو مشہود کر
لذت ایماں عمل ہی کا ہے پھل
پارہ پارہ اپنی وحدت کو نہ کر
چھوڑ دو دو کی پرستاری کی خو
لب پہ جو کچھ ہو وہی ہو دل میں بھی
رکھ دیا خود قلعہ اپنا توڑ کر
کر عمل، غائب کو یوں موجود کر
مردہ ہے ایماں اگر ہے بے عمل

اللَّهُ الصَّمَدُ

جو بھی اللہ الصَّمَد کا ہو رہا
بندۂ حق بندۂ اسباب کیوں؟
تو ہے مسلم، بے نیازِ غیر ہو
کر گلہ ہرگز نہ پیش اہل مال
اس حدِ اسباب سے باہر ہوا
زندگانی گردشِ دولا ب کیوں؟
حق میں عالم کے سرا پا خیر ہو
اُن کے آگے مت بڑھا دستِ سوال

نان جو کھا کر بھی رہ شیرِ زمین
 منتِ اہلِ کرم سے دور رہ
 رزق میں منت کشِ دوناں نہ ہو
 مور بے مایہ ہو یا بے بال و پر
 عاملِ اقلیلِ مِنَ الدُّنْيَا تو بن
 تابہ امکاں کیمیا بنِ گِل نہ بن
 جانتا ہے تو مفتامِ بوعلیؑ
 "تخت کیکاؤس کو ٹھوکر لگا
 وہ تھی پیمانہ جو ہیں بے نیاز
 یاد ہے ہاروں رشیدِ حق پرست!
 اس نے مالک سے کہا اے فخرِ دیں!
 زیرِ کمرِ حرب کو، بن خیبر شکن
 نشترِ لا و نعشم سے دور رہ
 ہو کے یوسف اس قدر ازراں نہ ہو
 کوئی بھی خواہشِ سلیمان سے نہ کر
 پھر تعیشِ حُرّاً کا سمجھے گا چلن
 دہر میں منعم تو بن، سائل نہ بن
 مجھ سے لے کر پی یہ جامِ بوعلیؑ
 جان دے، ذرہ نہ دے ناموس کا
 ان پہ ہوتا ہے درمیانہ باز
 جس نے دی تقفور کو سپہم شکست
 آپ سے روشن ہے ملت کی جہیں

لے ہاں اور نہیں ہوا کے ذیل۔ کہنے سے قول فاروقؓ اُقِلُّ مِنَ الدُّنْيَا تَعِشْ حُرّاً

طرف اشارہ ہے کچھ رومی پادشاہ (دکوکب)

آپ ہیں طوطی گلزارِ حدیث
لعل ہو کر کیوں مین میں قید ہیں
دیکھتے تائبانی روزِ عراق
موجِ آبِ خضر اس کی تاک ہے!
خسارِ دمِ احمدیوں مالک نے کہا
دیکھ مجھ کو اور اس فتراک کو!
زندگی میں خاکِ میثرب کا فراق!
یہ دیا ہے حکم مجھ کو عشق نے
چاہتا ہے تو مرا آفتاب نے
آؤں میں تجھ کو پڑھانے کے لئے!
علمِ دیں کا ہے اگر ذوقِ آشنا
بے نیازی کا عجب انداز ہے
دیں مجھے بھی درسِ اسرارِ حدیث
آکے اب دارِ الخلافت میں رہیں
دیکھتے حسنِ نظرِ سوزِ عراق
مرہمِ زخمِ مسیحا خاک ہے!
کچھ غرض مجھ کو نہیں اس کے سوا
چھوڑ دوں کیسے حسرتِ پاک کو!
شب کہاں اُس کی کہاں روزِ عراق
پادشاہوں کو بھی خدمت میں نہ لے
بندۂ آزاد کا مولا بنے
خادمِ ملتِ ترا خادم بنے
جائے تدریسی میں آکر بیٹھ جا
بے نیازی اک طرح کا ناز ہے

بے نیازی رنگِ حق کا نام ہے رنگِ عالم سے اسے کیا کام ہے
دوسروں سے تو بھی علم اندوز ہے ان کا غازہ تیرا رخ افروز ہے
ارجبندی ہے تری ان کا شعار خود سے غافل دوسروں کا ہے شکار
تیری مٹی اس سے خجسہ ہو گئی خاکِ محسروم گلِ تر ہو گئی
دوسروں سے خواہشِ باراں نہ کر اپنی کھیتی اس طرح ویراں نہ کر
ان کی دانش تیرے دل کی پھانسی ہے ان کا دم تیرے گلے کا سانس ہے
گفت گو تیری انہیں سے مستعار آرزو تیری انہیں سے مستعار
قمریوں میں تیری مانگے کی نوا سرو پر بھی تیرے مانگے کی قبا
جام میں ہے تیرے غیروں کی شراب جام بھی ہے اب انہیں سے دستیاب
وہ نظروہ سرِّ مازِ اغْ البَصْرۃ کاش پھر ملت میں آئے لوٹ کر
ہے شناخت اس شمع کو پروانے کی ہے خبر اپنے اور بیگانے کی
لَسْتُ مَنِّیٰ تجھ سے جب آکر کہے کیا تری عزت زمانے میں رہے؟

زندگانی مثل انجم تاجکے؟ اپنی ہستی صبح میں گم تاجکے؟
تو نے کھایا صبح کا ذب کا فریب چرخ کے پہنائے جاذب کا فریب
مہر ہو کر ماہ پاروں سے طلب نور کی تجھ کو ستاروں سے طلب!!
دوسروں کا نقش دل پر لکھ لیا خاک لے کر ہاتھ سے دی کیمیا
نور ہے تیرا فروغ مستعار دوسروں کا نشہ اب سر سے اتار
شمع محفل کا ہے کیوں پروانہ تو سوز سے اپنے ہے کیوں بیگانہ تو
اپنے ہی پردوں میں رہ مثل نظر اڑحدوں میں اپنی اڑنا ہے اگر
اس طرح اغیار سے کرا جتنا ب خود ہی خلوت خانہ بن مثل حباب
فرد بھی ہے ایک شے اپنی جگہ قوم لیکن قوم ہے اپنی جگہ
مصطفیٰ کے حکم سے آگاہ ہو بے نیاز ربط غیر اللہ ہو

لَمْ يَكِدْ وَلَمْ يُؤَلَدْ

قوم ہے تیری ورائے رنگ و خوں ایک اسود ہے صدا حمر سے فزون

ایک تینسر کے دھوکا قطرہ بھی
فارغ اُمّ و اب و اعمّام رہ
نکتہ یہ اے ہمدم فرزانہ جان
کوئی قطرہ لالہ حمرا کا ہو
کیا کہے گا وہ کہ میں غبہر کا ہوں؟
ملت اپنی شانِ ابراہیم ہے
گر نسب کو جزو ملت کر دیا
رشتہ ملت میں کیا تیرا سوال
ابن مسعودؓ آنِ عشق، ایمانِ عشق
بھائی کے مرنے کا اتنا غم ہوا
جانتے تھے ان کو وہ جاں کی طرح
خونِ قیصر سے کہیں ہے قیمتی
مثلِ سلماں زادہ اسلام رہ
شہد کو عزت گزین لائے جان
یا وہ قطرہ نرس شہلا کا ہو
یا کہے گا وہ کہ نیلو فر کا ہوں؟
شہد کیا؟ ایمانِ ابراہیم ہے
رحمتہ اندازِ اخوت کر دیا
نامسماں ہے ابھی تیرا خیال
جسم و جاں میں ان کے سوزِ جانِ عشق
سوزِ آہ غم سے سینہ جل گیا
روئے ان کی موت پر ماں کی طرح

۱۔ اعمام - جمع علم یعنی چچا ۲۔ سلماں فارسی سے پوچھا گیا کہ ان کا شجرۂ نسب کیا ہے، انہوں نے جواب دیا، "سلماں ابنِ اسلام"، مولانا جی فرماتے ہیں ۳۔ بندہ عشق شدی ترک نسب کن حامی ۴۔ کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیز سے نیست، ۵۔ لائے - شہد کا چھتنے ۶۔ شان - غمیرہ نرگس ۷۔ ز اتفاق مگس شہد می شود پیدا ۸۔ خدا چہ لذت شیریں در اتفاق ہوا ۹۔

ان کی وجہ گریہ لے سکیں اور تھی
 ان کو کہتے تھے سبق خوانِ نیاز
 روکے کہتے تھے "وہ ساتھی اٹھ گیا
 وہ ہوا محروم دربارِ نبی
 ہاں ہمیں روم و عرب کے کام کیا
 ہم ہیں محبوبِ حجازی پر فدا
 اپنا رشتہ ہے تو لائے نبی
 ہے ہمارے خون میں مستی یہی
 شانِ ملتِ جمعیت ہے یہ
 اس کا حق جاں پر نسب کا جسم پر
 عشق کے بندے، نسب کو چھوڑ دے
 بس یہی سمجھو کہ نورِ حق میں ہم
 بات ہی کچھ اور زیرِ غور تھی
 اور اپنا "ہم دبستانِ نیاز"
 جو مرا عشقِ نبی میں یار تھا
 میں ابھی ہوں محو دیدارِ نبی
 بندش نام و نسب کے کام کیا
 اپنی یکجائی کی ہے بس یہ بنا
 اپنا نشہ کیف صہبائے نبی
 ہم نے پانی اس سے تازہ زندگی
 سرسبز خونِ رگِ ملت ہے یہ
 عشق ہے یعنی نسب سے پختہ تر
 فکرِ ایراں و عرب کو چھوڑ دے
 ایک ہی مصدر کے سب مشتق ہیں ہم

نورِ حق کے واسطے کیا زاد و بود خلعتِ حق کے لئے کیا تار و پود
جو حدِ تسلیم و جد تک ہی رہیں لَمْ يَلِدْ لَمْ يُولَدْ ان سے کیا کہیں

وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ

بے نیاز دہرِ مسلم کیوں رہا؟ اس بحق پیوستہ کی فطرت ہے کیا؟
لالہ تنہا اگا جو کوہ پر دامن گلچیں کی اس کو کیا خبر
چھیر ڈے بادِ سحر جب آکے راگ شعلہ بن جاتی ہے از خود اس کی آگ
آسماں چھوڑے نہ چھوڑا ہے اسے کوکبِ واما ندہ سمجھا ہے اسے
تابِ مہر اس کو جگانے آتی ہے شبنم اس کا منہ دھلانے آتی ہے
لَمْ يَكُنْ سے ہو تراشِ تاقوی تب صفت ہو قومِ بیہمتا تری
جس کی ذات پاک واحد لا شریک اس کا بندہ کب بنائے گا شریک
جس کو حاصل ہو جہاں پر برتری کیوں وہ مانے گا کسی کی ہمسری

خُرْقَةُ لَا تَحْزَنُوا بِحَسَمٍ پَر
دو دنوں عالم اس کا بار دوش ہیں
ہے یو نہی برقی جہندہ پر نظر
پیشِ باطل تیغ، پیشِ حق سپر
اس کی چنگاری ہے شعلوں کی مثال
اس جہان ہا و ہوسیں پلے بہ پلے
اس کے عفو و عدل احساں ہیں عظیم
ساز اس کا بزم میں خاطر نواز
باغ میں ہے بلبلوں کا ہم صغیر
زیر گردوں اس کا گھبراتا ہے دل
مرغ جاں تاروں پہ ہے منقار زن
تجھ کو سیر، اندیشہ بیہودہ ہے !

أَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ اس کا تاج سر
بحر و بر پرورہ آغوش ہیں
گر پڑے تو اس کو لے لے دوش پر
نہی و امر اس کے عیار خیر و شر
اس کا جو ہر زندگی کا ہے کمال
نغمہ پیرا اس کی ہتی بکیر ہے
قہر میں بھی ہے مزاج اس کا کریم
سوز اس کا رزم میں آہن گداز
ہو سر صحرا تو بازِ صید گیر
چرخ کی خوگر ہے اس کی آب و گل
عصر عالم سے ہے ماتھے پر شکن
بن کے کیڑا زیر خاک آسودہ ہے !!

خوار تو مہجوری قرآں سے ہے تجھ کو شکوہ گردشِ دوراں سے ہے
مثلِ شبنم گر کے کیوں شرمندہ ہے پاس تیرے حبِ کتاب زندہ ہے
خاک کا کب تک رہے گایوں اسیر مرغِ ناداں! اڑ کے ہو افلاک گیر

عرضِ حالِ محضو رحمۃ اللعالمیں

اے کہ تو خود ہے شبابِ زندگی تیرا جلوہ آفتابِ زندگی
یہ زمیں تجھ سے ہی سرفراز ہے آسماں کو تیرے در پر ناز ہے
تجھ سے تابندہ ہے یہ عالم تمام ترک و تاجیک و عرب تیرے غلام
ذاتِ تیری افتخار کائنات فقر ہے تیرا بہار کائنات
تو نے روشن کی ہے شمعِ زندگی تو نے بندوں کو سکھائی خواجگی
تھے یہ سارے پیکرِ انِ آب و گل بے ترے نابود مندی سے خجل

تیرے دم سے آگ کا پردہ اٹھا
ذرہ سورج کے مقابل آگیا
تیرے رخ پر جب پڑی میری نظر
میرے دل میں آگ بھونکی عشق نے
نالہ مثل نے ہے اب سامانِ دل
اب غم پہناں نہ کہنا ہے محال
اب کہاں وہ مسلم، اے فخرامم !
ہوں منات ولات و عزّی یا ہبل
کر دیا ہے شیخ نے کافر کومات
توڑ کر رشتہ عرب سے حق پرست
عضو، ہر قابِ عجم سے شل ہوئے
موت سے ڈرتا ہے کافر کی طرح

خاک کے تودوں سے آدم بن گیا
یعنی اپنے زور سے واقف ہوا
تو ہوا ماں باپ سے محبوب تر
اور بھڑکے، خوش ہوں اس کے سوز سے
ہے یہ شمعِ خسائے ویرانِ دل
اب مرا خاموش رہنا ہے محال
پھر ہوا بتخانہ یہ بیت الحرام !!
ہر کوئی رکھتا ہے اک بت درِ بغل
اس کے دل میں بس رہا ہے منات
بادہ خانے میں عجم کے اب ہیں مست
ولو لے سب آنسوؤں میں حل ہوئے
دل بگاڑا ماندہ مسافر کی طرح

اب وہ ذوقِ مرگ جینے میں نہیں
نام کے چارہ گروں سے اس کی لاش
آج تک میں نے جہاں تک ہوسکا
مردے کو دی آپ جیواں کی خبر
لکھ دیا فائدہ یارانِ نجد
شمع روشن کی بہ اسرار حیات
کہتے ہیں افرنگ کا جادو ہے یہ
بخشنے والے بصیرت کو روا
ذوقِ حق دے اس خطا اندیش کو
ہاں اگر مجھ میں ہی کچھ جوہر نہیں
پر ضیا ہے تجھ سے ہر نزدیک دور

قلبِ زندہ اس کے سینے میں نہیں
چھین لایا ہوں میں اب اے حق شناس
اس کو سمجھاتے رموزِ مصطفیٰ
گوش زدی سترِ قرآن کی خبر
پیش کر دی نکہتِ بستانِ نجد
قوم کو سمجھا دیا کارِ حیات
اس کے لب پر اُس کی ہاؤ ہو ہے یہ
مجھ کو دی ہے تو نے سلما کی نوا
غیر سمجھا ہے متاعِ خویش کو
غیرِ سراں کہہ دیا ہو کچھ کہیں
تجھ سے چھپتا ہے کہیں مافی الصُّور

(۱۱) بصیری۔ معتف قصیدہ بردہ جس نے عالم رویا میں بنی کریم کو اپنا مشہور قصیدہ (امن تذکرہ حیران بڈی
مسلم الخ سنایا۔ حضور نے اس کے صلیے میں خوش نصیب بصیری کو اپنی ردائے پاک عطا فرمائی ۱۲ (کوکتب)

پردہٴ تخیل میرا چاک کر
کرفنا مجھ کو اگر ہوں پر خطا
سبز میری کشت بے ساماں نہ کر
رس نہ رہ جائے مرے انگور میں
خوار ہی رکھنا مجھے روزِ حساب
دُر اگر اسرارِ قرآن سے چنے
قوم سے جو کچھ کہا وہ حق کہا
کر مرے حق میں بس اتنی سی دعا
عرض کر پیشِ خدائے عز و جل
دولت جاں حزیں بخشی مجھے
کر عمل میں بھی مجھے پائندہ تر
دہر میں جس روز سے آیا ہوں میں

گلشنِ ہستی کو مجھ سے پاک کر
اہلِ ملت کو مرے شر سے بچا
مجھ پہ کارِ بخشش نیساں نہ کر
زہر بھر میری مئے کا فور میں
بوسہٴ پاس سے نہ کرنا بہرہ یاب
اور مسلمانوں کے دامن بھر دینے
کچھ نہ فتراں کے سوا مطلق کہا
یہ دعا ہے میری محنت کا صلا
علم ہو میرا ہم آغوشِ عمل
اور نعمتِ علم دیں کی دی مجھے
آب نیساں سے مجھے کر دے گہر
اک تمنا اور بھی رکھتا ہوں میں

ہے مرے سینے میں دل کی طرح
نام حب سے لب پہ آیا ہے ترا
برھتا جاتا ہوں میں جوں جوں عمریں
ہوتی جاتی ہے جواں یہ آرزو
یہ مجھے اک گوہر نایاب ہے
مدتوں لالہ رخوں میں رہا
بادہ نوشی ماہ سیماؤں میں کی
گرہ حاصل بجلیاں تضاں رہیں
لیکن اک قطرہ نہ اس مے کا بہا
عقل نے بھی دام پھیلائے بہت
ایک مدت شک میں گزری زندگی
واسطہ علم الیقین سے کچھ نہ تھا
صبح سے ہے شام منزل کی طرح
سوز مجھ کو اس تمنا کا ملا
اور لیتی ہے یہ دل میں کروٹیں
تیز تر پاتا ہوں اس میں رنگ و بو
میری راتوں کا یہی مہتاب ہے
عشق بھی عشوہ طرازوں سے کیا
عاقبت کی فکر ہی دل میں نہ تھی
رہزنوں نے دل کی کانیں لوٹ لیں
یہ گل رنگیں نہ دامن سے گرا
رنگ اس کے نقش بھی لائے بہت
یہ خرابی ذہن سے جاتی نہ تھی
تھا گماں آباہ حکمت میں پڑا

میری ظلمت تابِ حق سے دور تھی
یہ تمنا دل میں خوابیدہ رہی
آخر آنسو بن کے ٹپکی آنکھ سے
دل ہے پُر اب صرف تیری یاد سے
زندگی ہی جب عملِ سماں نہ تھی
شرم آتی تھی مجھے کہتے ہوئے
شانِ رحمت ہے تری عالم نواز
ایک مسلم، ماسوا سے اجنبی
نزع میں جب پتلیاں اسکی پھریں
بعدِ مردن گروہاں تربت ملے
تیرے در سے جب قیامت کو اٹھوں
تو جہاں تھا کیا مبارک شہر ہے

شامِ غم نورِ شفق سے دور تھی
سیدپ میں دُربن کے پوشیدہ رہی
دل میں اس نے زمزے پیدا کئے
لب پہ لے آؤں اگر تو اذن دے
یہ تمنا بھی مجھے شایاں نہ تھی
بڑھ گئی جرات ترے الطاف سے
آرزو ہے میرا مدفن ہو حجاز
حیف ہے مٹی نے بتخانے کی
لے زمینِ دہرا اس کو گود میں
اس کشاکش سے مجھے فرصت ملے
غیر ممکن ہے کہ میں نازاں نہ ہوں
ذرہ ذرہ زندگی کی لہر ہے

تو جہاں آرام فرما ہے وہ خاک
مسکنِ محبوب ہے رشکِ چمن
قبر میری بن کے جب تیار ہو
یہ تڑپ نکلے دل بیتاب سے
پھر کوئی دیکھے مرے آرام کو

دیدۂ عشاق میں ہے جاں پاک
عاشقوں کو ہے یہی حُب الوطن
اس پہ تیرا سایہ دیوار ہو
بیقرار می جائے اس سیما سے
اُس خراب آغاز کے انجام کو

